نگار

قیمت ۸ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگار

رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ تک شایع ہوتا ہے

رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

سالانہ قیمت پانچ روپیہ - ششماہی تین روپیہ

بیرون ہند سے آٹھ روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

جلد ۲۲	فہرست مضامین دسمبر ۱۹۳۲ء	شمارہ ۶

اشتہار نگار جنوری ۱۹۳۳ء		۲
ملاحظات		۵
انقلاب روس کی عبرت ناک داستان		۹
سحر موسیقی	طالب باغپتی	۲۲
علم و عقل کی گمراہیاں		۳۷
سیزر اور کلیوپیٹرا	محشر عابدی	۴۵
آئندہ جنوری ۱۹۳۳ء کے نگار کے چند مختلف ٹکڑے۔		۵۶
تاجدار رقاصہ		۵۹
ایک دشمن محبت سلطنت		۶۳
سرعت سیر کا مستقبل		۶۶
باب الاستفسار		۷۰ تا ۸۰
تذکرہ معرکۂ سخن	عبد الباری آسی	۸۱ تا ۱۰۶

اس اعلان کے علاوہ جتنے اور اعلانات و اشتہارات جنوری ۳۳ء کے نگار کے متعلق اس اشاعت میں یا اس سے قبل شایع ہوئے ہیں اُن کو منسوخ سمجھا جائے

(جنوری ۳۳ء کے خاص نمبر کے متعلق ایک اور اہم تجویز)

جس وقت یہ اعلان کیا گیا کہ جنوری ۳۳ء کا نگار مخصوص ہوگا صرف ایک موضوع "تاریخ الفحشا" کے لئے، تو بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اس کو علیحدہ کتابی صورت میں نکالنا زیادہ مناسب ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ ممکن ہے بعض حضرات اسے پسند نہ فرمائیں، بلکہ اس لئے بھی کہ تجارتی نقطۂ نظر سے اس میں دفتر کا نقصان ہے۔ میں بھی کامل غور کے بعد اسی نتیجہ پر پہونچا اس لئے میں تمام ناظرین نگار کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ "تاریخ الفحشا" تو علیحدہ کتابی صورت میں شایع ہوگی۔ اور جنوری ۳۳ء کا نگار مخصوص ہوگا صرف حضرت نیاز کے ملاحظات و مکتوبات کیلئے جنوری کا نگار تو حسب معمول جنوری کے پہلے ہی ہفتہ میں شایع ہوجائے گا، لیکن یہ کتاب اخیر جنوری تک طیار ہوگی اور علاوہ محصول دو روپیہ میں مل سکیگی۔ لیکن خریداران نگار اس کو نصف قیمت میں حاصل کر سکیں گے۔

جس طرح جنوری کا نگار حضرت نیاز کا مجموعۂ ملاحظات ہونے کے لحاظ سے عجیب و غریب چیز ہوگا، اسی طرح یہ کتاب بھی ایک نادر مجموعہ معلومات جنسی کا ہوگا۔ اسی سلسلہ میں کتاب زیر بحث کے متعلق چند باتیں

ضرور ذہن نشین کر لیجئے :۔

۱- اس کتاب میں "جنسیات" کے موضوع پر وہ سب کچھ موجود ہے جو اصولاً ہونا چاہیئے۔

۲- یہ نہ اس قسم کی کتاب ہے جیسی آج کل بازاروں میں "دولھا دلھن" "میاں بیوی" وغیرہ کے نام سے ہر جگہ بلتی ہیں اور نہ اس میں "تعلق جنسی" کی ترکیبیں بتا کر اس کو کوک شاستر بنایا گیا ہے۔ بلکہ نہایت مہذب و شائستہ، حد درجہ متین و سنجیدہ لٹریچر میں پیش کی جائے گی۔

۳- یہ خالص علمی و تاریخی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ عہد وحشت سے لیکر اس وقت تک انسان کا میلان معصیت کیونکر رونما ہوا، اس ذوق نے کس طرح ترقی کی اور اس کے اسباب ترقی کیا تھے

۴- اس کتاب میں یہ بتایا جائے گا کہ آج کل علم و تہذیب کی دنیا جس تمدن پر فخر کر رہی ہے اور مغرب جس چیز کو ترقی سے تعبیر کر رہا ہے، وہ کس قدر اخلاق شکن اور کس درجہ بہیمیت کرنے والا ہے۔

۵- اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا کی تمام تہذیبوں میں، عالم کے تمام مذاہب میں، صرف ایک ہی ادارۂ تہذیب ایسا تھا جس نے فحاشی کو پوری طرح روکا، صرف ایک ہی دین ایسا تھا جس نے اس کا سدِ باب کیا اور وہ اسلام تھا۔

۶- اس کتاب میں واقعات عالم، نفسیات انسانی اور شواہد تاریخی کی بنا پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جنسی معاصی کے روکنے کی بہترین تدبیر وہی ہو سکتی تھی جو اسلام نے مخصوص اصول ازدواج مقرر کرنے کے بعد اختیار کی۔

۷- یہ کتاب کسی مذہب سے بحث نہیں کرتی کسی خاص جماعت سے خطاب نہیں کرتی بلکہ عمومی طور پر انسان قدیم سے لیکر موجودہ عہد کے انسانی تمدن کے قوانین حیات کو سامنے رکھکر اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ دنیا ترقی کا نام لیکر کس قدر قعر مذلت میں گرتی جا رہی ہے

اور اس سے بچنے کا واحد ذریعہ کیا ہے۔

۸- یہ کتاب فی الحقیقت ایک نشتر ہے اُس فاسد مادہ کے لئے جو آج کل کے نوجوانوں میں پیدا ہو رہا ہے اور علاج ہے اُس خودسری، آزادی اور بے راہ روی کا جسنے اخلاق و مذہب دونوں کے صحیح مفہوم کو پس پشت ڈال دیا ہے

۹- اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نظام عالم میں انسان کے بنائے ہوئے قوانین کیسے نامضبوط و ناکافی ثابت ہوتے ہیں اور دنیا میں انسان کو صحیح "درس انسانیت" دینا صرف مذہب کا کام ہے جس کی حکومت ظاہری اعضاء پر نہیں بلکہ انسان کے دل پر، انسان کی روح پر قائم ہوتی ہے۔

۱۰- یہ کتاب مغرب کی تہذیب اور مغرب کے اخلاق کو بے نقاب کرنے والی ہے اور ملک کے نوجوانوں کے سامنے ایک درس عبرت و بصیرت پیش کرنے والی ہے تاکہ اُن کے اخلاق درست ہوں اور وہ سوچیں کہ کیا انسان اسی جانور کا نام ہو سکتا ہے جس سے ایسی ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوں۔

منی آرڈر کے ذریعہ سے چندہ بھیجنے میں آپ کو چار آنے کی بچت ہے کیونکہ منی آرڈر میں آپ کے پانچ روپیہ دو آنے صرف ہوں گے اور وی پی آپ کو چھ روپیہ دیکر وصول کرنا پڑے گا۔ اب آپ کی مرضی ہے جو مناسب معلوم ہو اسپر عمل کیجیے۔

جو صاحب نگار کی خریداری اب جاری رکھنا نہیں چاہتے وہ زحمت فرما کر مطلع فرما دیں تاکہ اُن کو وی پی نہ بھیجا جائے۔ کیونکہ اگر وی پی واپس آیا تو دفتر کو بہت نقصان ہوگا۔ آپ کے اخلاق سے اُمید ہے کہ اس التجا کو رد نہ فرمائیں گے۔

اسی کے ساتھ ایک استدعا اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ اگر نگار کی خدمت آپ کے نزدیک کوئی وقعت رکھتی ہو تو زیادہ نہیں صرف ایک خریدار اپنے حلقۂ اثر میں پیدا کر کے ہماری حوصلہ افزائی فرمائیے۔

منیجر نگار لکھنؤ

ملاحظات

گزشتہ ماہ کے ملاحظات ختم کرتے ہوئے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس ماہ کی اشاعت میں، مسلمانوں کے موجودہ حالات پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے انجام پر غور کروں گا کہ اس کے آثار اس وقت کیا نظر آرہے ہیں اور مستقبل کے خطرات کو دور کرنے کی کیا تدابیر ہوسکتی ہیں۔ ہرچند اس موضوع پر ملاحظات کے آٹھ صفحات یوں بھی کسی طرح کافی نہ ہوسکتے تھے، لیکن اس مرتبہ منیجر نے تین صفحے مجھ سے چھین کر، میرے لئے میدان کو اور زیادہ تنگ کردیا۔ اس لئے کسی مختتم گفتگو کی توقع قائم کئے بغیر، آپ چند ابتدائی باتیں اس اشاعت میں سن لیجئے، اس کے بعد تو پھر مسلسل مجھے کئی اشاعتوں تک اس سلسلہ کو جاری رکھنا ہے۔

۱- غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کرۂ زمین پر مسلمانوں کی آبادی کتنی ہے۔ تقریباً ۲۵ کرور۔ اور اسی کے ساتھ غالباً یہ بھی آپ کے علم میں ہوگا کہ یہ آبادی کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی ہے آپ نقشہ اُٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ایک طرف یہ سلسلہ مغربی افریقہ کے سواحل اتلانتک سے شروع ہوکر بحر روم کے جنوبی ساحل کو اپنی آغوش میں لیتا ہوا مصر اور مغربی ایشیا تک پہونچتا ہے، اور پھر سواحل بحر قلزم و بحر اسود سے ہوتا ہوا سائبیریا اور منگولیا تک پہونچ جاتا ہے۔ دوسری طرف مشرقی ساحل افریقہ سے شروع ہوکر، مڈغاسکر کے عرض البلد پر منتہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک سلسلہ وہ ہے جو افغانستان کے کوہستانوں کو عبور کرکے ہندوستان تک پہونچتا ہے۔ اور یہاں سے جزیرہ نمائے ملایا ہوتا ہوا شرقی مجمع الجزائر تک پہونچ جاتا ہے۔

اچھا اب اسی کے ساتھ آپ تاریخ اُٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کی یہ ترقی تدریجی ترقی نہ تھی بلکہ ایک سیلاب کی سی ترقی تھی جو وقتاً فوقتاً اُٹھتا رہا اور چند صدیوں میں کرۂ ارض کے اتنے وسیع حصہ پر محیط ہوگیا۔ سنہ ۶۳۰ء اور سنہ ۷۵۰ء کے درمیاں ہسپانیہ و مراکش سے لیکر وسط ایشیا تک پھیل گیا اور تقریباً ڈھائی صدی تک اسی جگہ محدود رہا۔ اس کے تقریباً ڈھائی صدی بعد سنہ ۱۰۰۰ اور سنہ ۱۱۰۰ کے درمیان اس کی وسعت مغربی افریقہ سے لیکر، ایشیا کوچک، وسط ایشیا اور شمالی ہند تک پہونچ گئی۔ پھر دو صدی گزرنے کے بعد ایک اور لہر اُٹھی جس نے (سنہ ۱۳۰۰ اور سنہ ۱۴۰۰ کے درمیان) جزیرہ نمائے بلقان سے لیکر سائبیریا، ہندوستان اور مجمع الجزائر تک تمام حصہ کو اپنے اثر میں لے لیا۔ اور اس طرح جو نقشہ مسلم آبادی کا سنہ ۱۴۰۰ء میں قائم ہوگیا

تھا، تقریباً وہی اب بھی نظر آتا ہے۔

اس وقت میں اس امر سے بحث نہیں کروں گا کہ اس ترقی کے کیا اسباب تھے، یعنی کوئی خاص اخلاقی خوبی اسلام میں ایسی تھی جس کا اثر دنیا پر پڑا یا یہ کہ صرف اس کی عسکریت کو اس کا امتیاز دینا چاہئے۔ بہر حال حقیقت یہ ہو یا وہ ہمیں اس سے بحث نہیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلام جہاں جہاں گیا کن خصوصیات کے ساتھ گیا اور اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ لیکن اس پر غور کرنے سے قبل بطور اصول موضوعہ ہم کو یہ متعین کر لینا چاہئے کہ اسلام سے ہماری مراد اس مضمون میں کیا ہے۔

میں اس سے قبل بھی نگار کی کسی اشاعت میں لکھ چکا ہوں اور اب پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ دین و مذہب دونوں بالکل علٰحدہ چیزیں ہیں، یعنی دین نام ہے اس خاص اعتقاد کا جو متعلق ہے ہماری عبادات سے، ہماری مابعد الطبیعیات سے اور اس سکون نفس سے جو کسی مخصوص عقیدہ کی بناء پر انفرادی طور پر ایک شخص کو حاصل ہوتا ہے، سوسائٹی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن مذہب نام ہے اس تہذیب و تمدن کا جو کسی دین کے ماتحت دنیا میں قائم ہو جاتا ہے اور جس کا تعلق انسان کی ہئیت اجتماعی سے ہوتا ہے۔ اس کا میں وہی مفہوم قرار دیتا ہوں جو انگریزی لفظ (Culture) کا ہے پس میری مراد بھی مضمون زیر بحث میں مذہب سے ہے نہ کہ دین سے یعنی میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اسلام بہ لحاظ اعتقاد مذہبی نہیں بلکہ بہ حیثیت ایک خاص مذہب (Culture) ہونے کے کیا خصوصیات اپنے ساتھ ہر جگہ لے گیا۔

اب اس سلسلہ میں آپ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا اُس وقت اس کا ماحول کیا تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ اسلام پیدا ہوا ایشیا ہی کے ایک گوشہ سے لیکن اثر اس نے قبول کیا یوروپ کی اس تہذیب کا جس کے لئے صحیح لفظ میرے خیال میں صرف "یونانیات" ہو سکتا ہے۔ یہاں یونانیات سے مراد صرف ملک یونان کی تہذیب نہیں ہے بلکہ وہ تمام مغربی تہذیب مقصود ہے جو حقیقتاً مجموعہ تھی روما و یونان دونوں کی تہذیب کا اور جس سے نہ صرف سارا یوروپ بلکہ جزیرہ نمائے عرب بھی عرصہ تک متاثر رہنے کے بعد اپنے دور انحطاط میں بھی اسی کے زیر اثر نظر آتا تھا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ولادت نبوی و بعثت کے وقت سرزمین حجاز میں بھی یہود و نصاریٰ ہی کا اثر قائم تھا اور اہل عرب باوجود اس کے کہ ان کی وثنیت شدید قسم کی بُت پرستی تھی، نصاریٰ و یہود کے علماء کا خاص احترام کرتے تھے۔ اور ان کے علم و فضل اور روحانیت کے قائل تھے۔ اس کا ایک سبب غالباً یہ بھی تھا کہ اہل عرب میں بت پرستی کا خیال خود یونان و روما سے آیا تھا، لیکن اس کی بڑی وجہ سلطنت روما کے اقتدار و وسعت، ہیبت و جبروت کی وہ روایات قدیمہ تھیں جو عرب میں ایک ایک بچہ کے ذہن نشین ہو چکی تھیں اور قدرتاً ہونا چاہئے تھیں جبکہ اُس وقت بھی

سطنطین اعظم کا مسیحی جھنڈا آبنائے باسفورس پر لہراتا ہوا ہر شخص کو نظر آتا تھا۔

ہرچند اسلام نے اپنی فتوحات کا اولین ہدف یونان و روما ہی کی حکومت کو قرار دیا، لیکن بجائے اس کے کہ یونانیات کا اثر زائل ہوتا مسلمانوں پر اور زیادہ رنگ اس کا چڑھ گیا یعنی گو ظاہری حکومت و اہل یوروپ کی ضرور چھن گئی، لیکن اس کی تمدنی حکومت عربوں پر اور زیادہ قائم ہو گئی، چنانچہ آپ دیکھیں گے عربوں نے نہ صرف علوم و فنون میں یونانی لٹریچر کا اثر قبول کیا بلکہ تدوین شرع و فقہ میں بھی ارسطو کی تصانیف سے مدد لی گئی۔ حتیٰ کہ بعض مفسرین نے تو اسکندر اعظم کو پیغمبر تک قرار دیدیا۔ ایک ہی تہذیب ی مختلف قوموں میں ایک کا دوسرے سے برسر پیکار رہو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے، ہمیشہ ہوا ہے اور ہوگا۔ خود مسلمانوں میں باہم جس قدر جنگ و خونریزی ہوئی ہے کسی سے مخفی نہیں۔ الغرض مسلمانوں کا روما و یونان کے مقبوضات کو تصرف میں لے آنا اگر ایک طرف اسلامی حکومت کی فتح تھی، تو دوسری طرف یونانیات کی بھی کامیابی تھی جس سے اسلام برابر متاثر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اور اگر ایرانی تہذیب جو جزیرہ نمائے عرب یں کہیں کہیں اکاسرۂ عجم کے سطوت و اقتدار کو قائم کئے ہوئے تھی اس وقت نہ پائی جاتی جس سے اہل عرب ایک حد تک متاثر ہو چکے تھے، تو آج مسلمانوں کی تہذیب یکسر مغربی تہذیب ہوتی اور اس میں ادنیٰ شائبہ بھی مشرقیت کا نہ پایا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے دور ترقی میں علوم و فنون کی بڑی خدمت انجام دی لیکن اسکی بنیاد بھی وہی یونانیات تھی جس نے کسی وقت اسلام کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آخر کار ان کے تمام شعبہ ہائے حیات کو اس قدر سختی کے ساتھ جکڑ لیا کہ آج ہندوستان میں بھی جہاں مسلمانوں کو رہتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں، وہی مغربی خصوصیت ان کی قائم ہے اور جس نے ان کے مستقبل کو مشرق میں حد درجہ تاریک بنا رکھا ہے۔

آپ اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان جہاں گئے اپنی تہذیب اپنے ساتھ لے گئے اور کسی مفتوحہ ملک کے تمدن سے متاثر نہیں ہوئے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بالکل یہی مغربی ذہنیت ہے اور اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھنا یوروپی اقوام کی خصوصیت خاصہ ہے۔

ہندوستان میں ایک غضب اور یہ ہوا کہ دورِ مغلیہ ختم ہونے کے بعد انگریزوں کی حکومت شروع ہو گئی جو ایک مغربی قوم تھی اور اپنی تمام مغربی خصوصیات اپنے ساتھ لائی تھی۔ اس لئے جس وقت جذبات عناد و انتقام مسلمانوں کے سر دیر پڑ گئے تو پھر وہی اُن کی تقلید میں پیش پیش نظر آنے لگے اور اپنے اوپر افرنجیت طاری کرنے میں نمایاں سبقت کا اظہار کیا۔

چنانچہ اس وقت بھی جبکہ ہندوستان میں ایک سخت سیاسی انقلاب کے آثار پیدا ہوگئے ہیں بہت کم مسلمان ایسے ہیں جو ہندوؤں کے ساتھ شیر و شکر ہوکر حقیقی معنے میں خدمت وطن پر آمادہ نظر آتے ہوں، ورنہ اکثر حصہ انھیں افراد کا ہے جو انگریزوں کی طرف مائل ہیں اور ان کو ہندوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

آپ کسی مسلمان سے جس نے کچھ بھی مذہبی تعلیم حاصل کی ہے دریافت کیجئے کہ وہ انگریزوں اور ہندوؤں میں کس کو بہتر سمجھتا ہے تو فوراً انگریزوں کا نام لے دیگا اور دلیل یہ بیان کرے گا کہ وہ صاحب کتاب ہیں اور یہ کافر، ان کی لڑکیوں سے ہم شادیاں کر سکتے ہیں اور ان کی لڑکی سے نہیں۔ کلام پاک اُن کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور مشرکین و کفار سے نہیں۔ الغرض وہ بہت سے اسباب و دلائل نصاریٰ کی ترجیح میں پیش کر سکے گا۔ پھر چونکہ مسلمانوں کی یہ ذہنیت بہت قدیم ہے اور صدیوں کی بڑی ہوئی عادت کا ترک ہونا تقریباً محال ہے، اس لئے اگر اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی قومی و ملکی تحریکوں میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں لیا، تو یہ اُن کی فطرت تھی، ان کی مذہبی ذہنیت کا اقتضا تھا جس میں وہ بڑی حد تک مجبور تھے اور ہیں۔

میں نے جہاں تک مسلمانوں سے اس باب میں تبادلۂ خیال کیا ہے، اسی نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ وہ اپنی تہذیب یا اپنے مذہب (Culture) کو بدلنے کے لئے طیار نہیں اور اُن کو یقین ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ ملکر کام کرنا اسوقت تک ممکن نہیں جب تک اُن کی سطح پر نہ آیا جائے اور ان کی سطح پر آنا اپنی قدیم تہذیب کی روایات کو صدمہ پہونچانا ہے۔

اس لئے اب سب سے پہلا اصولی سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان کے مسلمان اپنی قدیم روایات تہذیب کو صدمہ پہونچائے بغیر کوئی ملکی یا وطنی جذبہ ہندوستان کے متعلق قائم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر نہیں تو پھر نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

سوائے ہندوستان کے اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ان کے حالات پر ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کو منطبق نہیں کر سکتے، کیونکہ ترکی، ایران، افغانستان، عرب و مصر میں نہ وہ محکوم کی حیثیت سے ہیں، نہ اجنبی اقوام میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ اُن کا ملک ہے، ان کی آبادی ہے، ان کی حکومت ہے اور اس لئے اگر وہاں کے مسلمانوں کو ان کی مغربی ذہنیت، یوروپ کی طرف کھینچ رہی ہے تو درست ہے اور وہ انھیں اصول کو سامنے رکھکر ترقی کر سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان اگر ان کی پیروی کرنا چاہیں تو یہ کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں، جبکہ ہندوؤں کی بیداری نے مغربی حکومت کا جوا اپنی گردن سے علحدہ کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیا ہے اور مسلمانوں کے لئے یہ رہا سہا سہارا ابھی ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ یہی وہ اصل مسئلہ ہے جس پر ہم آئندہ بحث کرینگے۔ نیاز

انقلاب روس کی عبرت ناک داستان

اور

خاندان زار کا عبرت انگیز منظر ذبح و قتل

انقلاب فرانس کے بعد غالباً انقلاب روس ہی ایک ایسا واقعہ دنیا کا ہے جس پر ہمیشہ دفتر کے دفتر لکھے جائیں گے اور لوگوں کو تسکین نہ ہوگی۔ لیکن باوجود ان تمام پیچیدگیوں کے باوصف ان تمام گتھیوں کے جو انقلاب روس کے صحیح اسباب معلوم کرنے کے سلسلہ میں ایک مورخ کے سامنے آتی ہیں، اس پر یقیناً سب کو متفق ہونا پڑے گا کہ زوال سلطنت روس کا سبب اولیں خاندان روما نوف کا وہ جبر و استبداد تھا جس نے اندرون ملک میں ہر جگہ حکومت کے خلاف نفرت و بے چینی کی لہر دوڑا دی تھی۔

ہر چند روس کے ملوکیت پرست طبقوں میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ انقلاب روس قطعی غیر فطری "وغیر روسی" تھا، یعنی وہ صرف جرمن عسکریت کی اندرونی ریشہ دوانیوں اور یہودیوں کی غیر عصبیت سے ظہور میں آیا۔ لیکن واقعات کی شہادت بالکل اس نظریہ کے خلاف ہے اور ان کی بنا پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ انقلاب روس بیرونی اثرات سے نہیں بلکہ خود اندرونی اضطراب کا نتیجہ تھا اور وہاں کے فلسفہ وجغرافیہ سیاسیات واقتصادیات، نسل و مذہب اور نفسیات سب سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا تھا۔

(۱) چونکہ انیسویں صدی کے آخری نصف حصہ میں بہت سے روسی اہل قلم اور مفکرین فلسفہ قنوطیت (Pessimism) کو رواج دے چکے تھے اور یہ فلسفہ ہمیشہ خیالات و جذبات میں پستی پیدا کرتا ہے اس لئے رفتہ رفتہ تمام سلطنت روسیہ نکبت و ادبار کے انتہائی درجہ تک پہونچ گئی اور وہ ولولۂ عمل جو ایک قوم کو میدان مسابقت میں لاکر کھڑا کر دیتا ہے بالکل مفقود ہو گیا تھا۔

(۲) ہندوستان کی طرح روس بھی زیادہ تر زراعتی ملک ہے اور ہر روسی کسان زمین کا بھوکا لیکن حکومت نے اس جماعت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کر کے اس قدر پامال کیا گیا کہ عہد قدیم کی غلامی بھی شاید اس سے بہتر رہی ہوگی۔

(۳) ملک کے بعض حقیقی خیر خواہوں کی طرف سے کبھی کبھی یہ صدا بلند ہوتی تھی کہ نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے لیکن سننا تو درکنار ان کے خلاف حکومت کا طرز عمل یہ ہوتا تھا کہ یا تو وہ جلاد کے سپرد کر دیئے جاتے تھے یا برفستان سائبیریا کی طرف جلا وطن کر دیئے جاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "زار و زاریت" کا تختہ الٹ دینے کے لئے سیکڑوں

خفیہ انجمنیں ملک میں پیدا ہوگئیں۔ اور لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر بیباکانہ سیاسی خونریزیوں کا بازار گرم کردیا۔
(۴) ملک کی صنعت و حرفت میں (۱۸۶۰ء سے ۱۹۱۴ء تک) نہایت سریع نشو و نما ہوا اگر مزدوروں اور کاریگروں کی حالت میں ترقی دیگر کوئی توازن قائم نہ کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبقہ عمال میں نہایت تلخ قسم کا احساس پیدا ہوا اور اسی جذبۂ نفرت و حقارت نے انقلاب روس میں مقدمتہ الجیش کا کام دیا

(۵) جس طرح ہندوستان میں سیکڑوں قومیں آباد ہیں اور صدہا قسم کے مذاہب رائج ہیں اسی طرح روس میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے ماسکو کے بڑے بازار میں کھڑے ہوجائیں تو آپ کی نظروں سے سلافی، قرغیز، قزاق، قلماق، جاوش، ترکمان، چینی، تاتاری، ترک، یہودی، مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے لوگ گزریں گے، اور جس طرح ہندوستان میں "قومیت" کا پیدا ہونا دشوار ہے اسی طرح روس میں بھی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ جس ملک میں مذہب و قومیت کے اختلاف کا یہ عالم ہوگا وہاں اندرونی فتنہ و فساد کی کیا کمی ہوسکتی ہے۔

(۶) یہودیوں، مسلمانوں اور بودھ مت والوں سے علاوہ خود روس کے عیسائیوں میں صدہا فرقے موجود تھے جن میں کبھی اتفاق نہ پیدا ہوسکا تھا اور چونکہ دولت روس نے اپنا سرکاری مذہب یونانی کلیسا قائم کردیا تھا اس لئے جو لوگ اس فرقہ سے مختلف العقائد ہوتے تھے ان پر جبر و ظلم کیا جاتا تھا اور اس لئے لوگوں کے سینوں میں جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی وہ انقلاب کے وقت پوری طرح بھڑک اٹھی۔

بیسویں صدی میں جبکہ جمہوریت کا سیلاب عظیم تمام عالم میں ملوکیت و استبداد کا تخت و تاج بہائے لئے جارہا تھا روس ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں جبر و استبداد اور حکومت شخصی کی لعنت پوری قوت کے ساتھ کام کررہی تھی اور عسکریت کے مظالم سے تمام آبادی چیخ اٹھی تھی۔ شہنشاہ کے فرامین کی تعمیل تلواروں اور نیزوں کی مدد سے کرائی جاتی تھی اور کامل ۳۰۰ سال روسی آبادی کو اسی عذاب میں مبتلا ہوئے گزر گئے تھے۔ بالآخر "مظلوم بڑھیا کے تنور" سے طوفان اٹھا اور سیلاب کے دروازے کھول دئے گئے مگر یہ دروازے کس نے کھولے؟ غالباً ایک عورت نے! یہ عورت جرمن ریاست ہیسی کی شہزادی اور زار روس کی بیگم تھی یہ متکبر و مغرور، خوددار و خودسر مگر باہمت و مستقل مزاج عورت اپنے متلون مزاج، ضعیف القلب اور بے خوف شوہر پر اس قدر خوفناک اثر رکھتی تھی کہ خاندان شاہی کے افراد اور افواج قاہرہ کے بڑے بڑے سردار بھی ہر وقت کانپا کرتے تھے اور اگر کسی کی طرف سے ذرا سی بھی مخالفت ہوتی تھی تو اسے جلا وطن کردیا جاتا تھا۔

الغرض روس میں آلام و مصائب اور بدنظمی کی انتہا ہوگئی تھی اور جس وقت جنگ عظیم میں اس نے حصہ لیا تو حالت یہ تھی کہ سامان رسد ناکافی تھا، سلسلۂ مواصلات متزلزل تھا، اور سامان جنگ کی بہم رسانی نہ صرف ناکافی تھی بلکہ اس میں قصداً خرابیاں پیدا کردی جاتی تھیں، چنانچہ پھٹنے والے گولے جو اسی کارخانوں میں بنائے جاتے تھے وہ روسی

توپوں میں نہ آتے تھے سپاہی محاذ جنگ پر برہنہ پا بھیجے جاتے تھے - امریکن سفیر متعینہ روس کا بیان ہے کہ "روسی سپاہی میدان جنگ میں اس طرح بھیجے جاتے تھے کہ دو آدمیوں کے پاس ایک رائفل ہوتی تھی اور یہ ہدایت کردی جاتی تھی کہ جب ایک سپاہی مرجائے تو دوسرا اس کی بندوق لے لے" اس طرف یہ حالت تھی اور ادھر پروپیگنڈا کرنے والوں نے روسی فوج اور رعایا کی اخلاقی حالت اس درجہ خراب کردی تھی کہ مرکزیت و تنظیم کا کہیں وجود ہی نہ رہ گیا تھا - بعض وزراء جو ان حالات سے باخبر ہوکر احتجاج کرتے تھے وہ فوراً علیحدہ کردیے جاتے تھے - چنانچہ تھوڑے ہی زمانہ میں کابینۂ وزارت کے اکیس ارکان یکے بعد دیگرے معتوب ہوکر برخواست ہوئے اور محض ایک آوارہ گرد فقیر راسپوٹین کے اشارہ سے - یہ شخص سائبیریا میں ایک کسان کے گھر پیدا ہوا تھا - اس کا دعویٰ تھا کہ اس کو الہام ہوتا ہے - یہاں یہ ظاہر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ راسپوٹین کو راہب کہا جاتا تھا مگر وہ کلیسا کے کسی طبقہ سے تعلق نہ رکھتا تھا - بلکہ وہ ایک آوارہ گرد فقیر تھا جو روسی دیہات میں بہ تعداد کثیر پائے جاتے ہیں اس کے اس قدر مشہور ہونے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ اپنی مقناطیسی قوت یا توجہ سے کام لیکر بیماروں کو اچھا کردیتا تھا -

روس کے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ طبقے بھی اس قدر ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں کہ ان کے نزدیک معمولی شعبدہ گر بھی خدا رسیدہ اور صاحب کرامت سمجھا جاتا ہے - چنانچہ ۱۹۰۵ء سے قبل جبکہ راسپوٹین کی رسائی دربار میں نہ ہوئی تھی وہاں فرانس کا ایک قصاب زادہ (فلپ) ولی اللہ بنا بیٹھا تھا کہا جاتا ہے زارینہ پر راسپوٹین کا اس قدر زبردست اثر صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ ولیعہد روس کو جو اکثر بیمار ہو جاتا تھا کسی پُراسرار طریقہ سے اچھا کردیا کرتا تھا -

زار و زارینہ کی شادی کو اگرچہ عرصہ گزر چکا تھا مگر چار بیٹوں کے سوائے کوئی اولاد نرینہ پیدا نہ ہوئی تھی بالآخر ۱۹۰۴ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا جسے زار و زارینہ دونوں ہر وقت جان چھڑکا کرتے تھے - لیکن بدقسمتی سے شہزادہ کو یہ بیماری تھی کہ اس کے جسم میں ذرا سی بھی خراش لگ جاتی تھی تو سیروں خون بہ جاتا اور بند ہونے کا نام نہ لیتا تھا - جس کی وجہ سے شہزادہ ہمیشہ کمزور و مضمحل رہتا تھا - علاج کی ہر ممکن تدابیر اختیار کی جاتیں تھیں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا - اس وقت اتفاق سے راسپوٹین کی رسائی دربار روس میں ہوتی ہے - یہ شخص حد درجہ شرابخوار و زانی تھا مگر اسی کے ساتھ بے انتہا ہوشیار و چالاک بھی تھا - اور کہا جاتا ہے کہ اپنی آنکھوں میں مقناطیسی قوت بھی رکھتا تھا - بہر حال کچھ بھی ہو - وہ شہزادہ کی تکلیف رفع کردیتا تھا - الغرض ماں کی مامتا، مذہبی خوش عقیدگی اور راسپوٹین کا پراسرار عمل یہ سب ایسی چیزیں تھیں جنکی وجہ سے زارینہ اس کے اثر میں آگئی تھی ایک مرتبہ شہنشاہ زار کے حکم سے راسپوٹین کو پیٹروگراڈ سے نکال دیا گیا - لیکن اتفاق سے اسی زمانہ میں

دلیعہد بیمار پڑا ڈاکٹروں نے کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھی مگر اُسے آرام نہ ہوا۔ اور خون کے بہنے سے اس کی حالت بہت نازک ہو گئی مجبور ہو کر زارینہ نے پھر راسپوٹین کو طلب کیا۔ اس نے آتے ہی شہزادہ کی خون آلود پٹیوں پر صلیب کا نشان بنایا اور پھر کچھ آہستہ آہستہ پڑھ کر بیمار پر دم کیا جس سے فوراً خون بند ہو گیا۔

راسپوٹین کے پُر اسرار عمل کی نسبت دو نظرے قائم کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو کسی قسم کی مقناطیسی قوت حاصل تھی۔ دوسرا یہ کہ ایک عورت دلیر وبوخہ جو راسپوٹین کی مرید اور زارینہ کی خواص تھی، وہ اوقات مقررہ پر شہزادہ کو ایک دوا کھلا دیتی تھی جس سے خون بہنے کا دورہ بڑھ جاتا تھا اور راسپوٹین آکر اس وقت شہزادہ پر عمل کرتا تھا جبکہ دوا کا اثر زائل ہو چکتا تھا۔

الغرض زارینہ اور اس کا حلقۂ احباب راسپوٹین کو ولی اللہ یا نبی یا مومن اللہ خیال کرتا تھا۔ اور اس کا اثر اس درجہ قوی ہو گیا تھا کہ وزراء سلطنت اور افسران لشکر کا عزل و نصب بھی اسی کے اشارہ پر ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی کے کہنے سے سازانوف وزیر خارجیہ کو برخاست کر کے اس کی جگہ دوسرا شخص مقرر کیا گیا جو جرمنی کا طرفدار تھا۔ اور اسی کی وجہ سے گرانڈ ڈیوک نکولاس معتوب ہو کر قفقاز کے محاذ جنگ پر بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ راسپوٹین نے گرانڈ ڈیوک نکولاس کو جو اس وقت عساکر روس کا سپہ سالار تھا تار دیکر اجازت چاہی کہ وہ اگر روسی فوج کو برکت دینا چاہتا ہے۔ اس کا جواب گرانڈ ڈیوک نے یہ دیا کہ: "ضرور آؤ تاکہ میں تمھیں سولی پر لٹکا دوں" اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ راسپوٹین بگڑ گیا اور اس نے زارینہ پر اثر ڈال کر گرانڈ ڈیوک کو اس حد تک ذلیل کر دیا کہ آخر کار وہ ایک معمولی جنرل بنا کر ترکوں کے خلاف محاذ قفقاز پر بھیج دیا گیا۔

زارینہ نے جو خطوط زار کو محاذ جنگ پر صدہا کی تعداد میں ارسال کئے تھے ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس میں راسپوٹین کی تعریف نہ کی گئی ہو۔ خیر خواہ افسروں کے خلاف زور نہ ڈالا گیا ہو ضعیف الطبع مردوں کی لگام عورتوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ مرد جذبات کے مرید ہوتے ہیں اور یہ جذبات عورت پیدا کرتی ہے۔ مرد انقلاب کرتے ہیں مگر واقعات کی ترتیب عورت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زار چاہتا تھا کہ وہ قوم کے مطالبات پورے کرے مگر زارینہ جو غرور و نخوت کا مجسمہ تھی ہمیشہ زار کو اس کے ارادوں سے منحرف کر دیتی تھی۔ اپنے قول کے ثبوت میں ہم زارینہ کے دو خطوں کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ انقلاب روس میں سب سے بڑا ہاتھ ایک عورت ہی کا تھا۔ وہ اپنے ایک خط میں شہنشاہ کو نصیحت کرتی ہے:۔

شہنشاہ بنو! اور یہ یاد رکھو کہ تم مطلق العنان شہنشاہ ہو۔ جب اپنے وزیروں سے گفتگو کرو تو اس طرح جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کرتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ نیکدل ہونا اچھا نہیں۔ دنیا سے یہ نہ کہو کہ تم ملک پر تباہی لا رہے ہو۔ تمھاری فرشتہ خصلتی، تمھاری تحمل مزاجی، اور تمھارا صبر و ضبط تمام دنیا کو معلوم ہے۔ اسی سے ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے جلدی کرو

میری جان جلدی۔ تمھاری ننھی سی بیوی تم کو ہمیشہ آگے بڑھاتی رہیگی"

ایک دوسرے خط میں اس طرح حکم دیتی ہے :-

"پیٹر اعظم، اور شہنشاہ پال کی طرح بنو۔ سب کو کچل ڈالو۔ ہنسو نہ، لوگ تم پر حکومت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ان پر حکومت کرو"

ان باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب دسمبر ۱۹۱۶ء میں قوم کی طرف سے حکومت دستوری کا مطالبہ کیا گیا۔ زار نے جواب دیا کہ :- جس بات کی آپ درخواست کرتے ہیں وہ ناممکن ہے میں نے اپنی تاجپوشی کے دن قسم کھائی تھی کہ ہمیشہ مطلق العنان رہونگا۔ اور مجھے اپنی یہ قسم اپنے بیٹے کی خاطر قائم رکھنا پڑے گی"۔

الغرض جب لوگ بالکل مجبور ہوگئے تو شرفا کی ایک جماعت نے جن میں سے بعض خاندان شاہی سے بھی تعلق رکھتے تھے موت اور زندگی کو اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم صمیم کر لیا اور پہلا شکار جو منتخب کیا گیا وہ راسپوٹین تھا۔

۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کی رات کو لوگ اس "مامور من اللہ" راسپوٹین کو بہکا کر پرنس فیلکس یوسفاف کے محل میں لے گئے جو لب دریا واقع تھا اور اس کو ہلاک کر کے پانی میں غرق کر دیا۔

جب زارینہ کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بہت غضبناک ہوئی اور اس نے تمام سازش کرنے والوں کو جلاوطن کرنا شروع کیا۔ خاندان شاہی کے افراد اور تمام روسا و امرا نے زار سے عرض کیا کہ قوم غضبناک ہو رہی ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس کے مطالبات پورے کر دئے جائیں چنانچہ اس محضر پر خاندان شاہی کے سترہ ارکان نے دستخط کر دیئے لیکن زارینہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حتی کہ اس نے اپنی ساس یعنی زار کی ماں کو بھی پایہ تخت سے نکلوا دیا اور اس طرح گویا اس نے انقلاب کی بنیاد کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

راسپوٹین کے ختم ہوتے ہی پروٹوپاپوف وزیر داخلیہ کو موقع مل گیا کہ زارینہ پر اپنا اثر قائم کرے چنانچہ اس نے فوراً یہ اعلان کر دیا کہ راسپوٹین کی روح اس کے سر آتی ہے۔ بعض اوقات پبلک کے سامنے اس پر وجدانی حالت طاری ہو جاتی تھی اور جب کبھی وہ زارینہ سے باتیں کرتا ہوتا تو وقتاً فوقتاً انگلی کے اشارہ سے بتانے لگتا کہ راسپوٹین کی روح وہ کھڑی ہے۔ کچھ دن بعد وہ اس سے بھی تجاوز کر گیا اور کہنے لگا کہ خود حضرت مسیح کھڑے ہوئے شہنشاہ بیگم کو برکت دے رہے ہیں اسی کے ساتھ اس نے مکر و فریب سے بھی کام لیا۔ یعنی اکناف ملک میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے اس نے ایسے خطوط ملکہ کے پاس روانہ کرائے جن میں گویا زراعت پیشہ طبقہ زارینہ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے التجا کر رہا ہے کہ وہ اپنی استبدادی پالیسی پر بدستور قائم رہے۔

مگر اب ان تدبیروں کا چلنا مشکل تھا۔ کیونکہ حکومت کے خلاف اب علی الاعلان مظاہرے ہونے لگے تھے یعنی راسپوٹین

کے قتل کو چند دن گزرے تھے - پایۂ تخت کے بازاروں میں "سرخ جھنڈا" لہرانے لگا - اور دکانوں کے سامنے ہلڑ ہونے لگے - گورنمنٹ کی کوئی نہیں سنتا تھا - ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ بیوقوف پروٹو پاپوف نے رعایا پر تشدد کرنا شروع کر دیا - اور بازار میں ہر طرف مشین گنیں نصب کر دی گئیں - چنانچہ ۱۰ مارچ کو پیٹروگراڈ میں جب حکومت کے خلاف جلوس نکالا گیا تو فوجیوں نے پروٹو پاپوف کے حکم سے مجمع پر فیر کر کے سیکڑوں کو خاک و خون میں لٹا دیا لیکن اس طرف مجمع اور زیادہ مشتعل ہو گیا اس نے بھی کافی بیدردی سے کام لیا اس وقت زار پایۂ تخت سے باہر فوجی ہڈکوارٹر میں مقیم تھا - ۱۱ مارچ کو اس نے کابینۂ وزارت کو برخاست کرنے کی کوشش کی مگر بے سود - کیونکہ اب صورت حال قابو سے باہر ہو گئی تھی - حتیٰ کہ پریشان ہو کر پریذیڈنٹ موسیو روڈزیان کو نے زار کی خدمت میں حسب ذیل تار ارسال کیا :-

"صورت حال نازک ہو گئی ہے - پایۂ تخت میں ہر طرف بدنظمی پھیلی ہوئی ہے - حکومت مفلوج ہو گئی ہے ایندھن اور سامان خوراک کی بہم رسانی کا سلسلہ متزلزل ہو گیا ہے - ہر طرف بےچینی اور شورش پھیلتی جاتی ہے - بازاروں میں اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں - فوراً کسی ایسے شخص کی ماتحتی میں وزارت قائم کر دی جائے جس پر ملک کو اعتماد ہو"

مگر شہنشاہ زار نے اس کا کوئی جواب نہ دیا - زارینہ کے خطوط نے اس کی قوت فیصلہ ماؤف کر دی تھی - ۱۲ مارچ کو اس نے دوسرا تار اس مضمون کا دیا :-

"صورت حال بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے - اگر کچھ کرنا ہے تو ابھی کیجئے کیونکہ سر سے پانی گذر جائیگا - آخری گھنٹی بج گئی ہے مادر وطن اور خاندان شاہی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے"

اسی روز دوپہر کے وقت زار کے بھائی گرانڈ ڈیوک مائیکل الگزینڈر روچ نے پیٹروگراڈ سے بذریعہ ٹیلیفون زار کی خدمت میں عرض کیا کہ فوراً ایسی گورنمنٹ قائم کر دی جائے جس پر ملک کو اعتماد ہو - اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مشورہ کا شکریہ مگر اس کا فیصلہ ہم خود کر سکتے ہیں" اسی کے بعد ایک تار پرنس گولٹسائن کی طرف سے زار کی خدمت میں پہونچا جس میں حسب سابق مشورہ دیا گیا تھا - مگر اس کے جواب میں شہنشاہ کا یہ فرمان جاری ہوا کہ "بلوے فرو کرنے کے لئے مزید سپاہ پیٹروگراڈ بھیجدی جائے"

اس واقعہ کے بعد ہی شہنشاہ بذریعہ ٹیلیفون زارینہ سے ایک گھنٹہ تک باتیں کرتا رہا اور اس گفتگو کے بعد فوراً زار نے پرنس گولٹسائن کو لکھا کہ موجودہ حکومت میں ہرگز کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا - اور حسب معمول حکم دیا کہ پیٹروگراڈ کی قلعہ نشین فوج میں اگر کسی قسم کی انقلاب انگیز تحریک پائی جائے یا وہ شورش کرے تو فوراً سرکچل دیا جائے - لیکن اب شورش اس قدر وسعت اختیار کر چکی تھی کہ آخر کار زارینہ نے بھی خوفزدہ ہو کر شہنشاہ کو اس

مضمون کا تار دیا کہ "ملک کو مراعات کا دیا جانا ناگزیر ہو گیا ہے" یہ پہلا موقعہ تھا کہ زارینہ کا سر نیچا ہوا۔ مگر اب اس کا وقت نہ تھا۔

۱۲ مارچ کو زار نے بذریعہ ٹرین اپنے پایۂ تخت تک پہونچنے کی کوشش کی مگر باغی فوج نے بجائے پیٹرو گراڈ کے بمقام پیسکاف پہونچا دیا۔ ۱۴ مارچ کو شہنشاہ زار نے سلسلۂ ٹیلیفون قائم کر کے پریزیڈنٹ روڈزیانکو سے مراعات کے متعلق گفتگو کرنا شروع کی لیکن اس طرف سے جواب آیا "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب فوجیں انقلاب پسندوں سے مل گئی ہیں۔ اب عطائے مراحمات کا وقت نہیں بلکہ تخت و تاج سے دست برداری کا وقت ہے" ۱۵ مارچ کو قوم کے دو نمائندے گچکاف اور شولگین زار کی خدمت میں پہونچے اور اس کو قوم کے منشاء سے مطلع کیا۔ زار سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور ٹھنڈی سانس لیکر بولا:- ہائے مجھے دھوکا دیا گیا۔ اور دست برداری پر دستخط کر دئے۔ یہ تاریخی دستاویز ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو گیارہ اور بارہ بجے شب کے درمیان ہوئی۔ زار نے اپنے بھائی کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو کر پنسل سے کاغذ پر دستخط کر دئے۔ اور بطور گواہ کاؤنٹ فریڈ ریکس لارڈ چیمبرلین نے سیاہی سے دستخط کئے۔ لیکن گرانڈ ڈیوک یعنی زار کے بھائی نے یہ خطرناک منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ۱۶ مارچ کو وہ بھی تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔

تخت و تاج سے دست بردار ہونے سے پیشتر شہنشاہ زار کے خطابات اس قدر تھے کہ اگر انھیں مفصل درج کیا جائے تو کم از کم نصف صفحہ سیاہ ہو جائے لیکن اس دست برداری کے بعد عارضی گورنمنٹ نے حکم جاری کر دیا کہ سابق زار کے پاس جس قدر خطوط اور اخبارات وغیرہ بھیجے جائیں ان کے پتہ میں سوائے لفظ کرنل کے اور کسی خطاب سے زار کو مخاطب نہ کیا جائے۔ یہی حال زارینہ کا ہوا یعنی اس کے نام سے پہلے "ہر مجسٹی" کا لفظ اڑا دیا گیا اور اب وہ صرف معمولی "الگزینڈرا" رہ گئی۔

دست برداری کے دوسرے دن زار ماہیلیف کو روانہ ہو گیا جو روسی فوج کا ہڈکوارٹر ہے تاکہ اپنی فوج سے رخصت ہو جائے۔ یہاں وہ ۲۱ مارچ تک رہا۔ اسی دوران میں گورنمنٹ کے چار نمائندے ماہیلیف پہونچے اور انھوں نے جنرل الگزیف کو مطلع کیا کہ سابق زار حراست میں لے لیا گیا ہے لہٰذا اُسے زار سکو سیلو روانہ کر دیا جائے اس سے قبل زار نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ کریمیا چلا جائے اور بقیہ زندگی اپنی شاہی جاگیر میں بسر کرے۔ مگر یہ درخواست گورنمنٹ نے منظور نہیں کی۔ اس کے بعد آخری درخواست اس نے یہ کی کہ اُسے اپنی فوج سے رخصت ہونے کی اجازت دیجائے چنانچہ اس بات کی اجازت دیدی گئی اور اُس نے ایک رخصتی پیغام فوج کے نام مرتب کیا جس میں سپاہیوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ وہ ملک پر اپنی جانیں نثار کر دیں اور آخری دم تک دشمن کے سامنے سے منھ نہ موڑیں۔ مگر گورنمنٹ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس پیغام کو شائع نہ کیا جائے۔

۲۱ر مارچ کو ایک نہایت دردناک واقعہ پیش آیا۔ یعنی زار کا عزیز گرانڈ ڈیوک سائریل اپنی رجمنٹ لیکر ماہیلیف پہونچا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے سینہ پر سر رکھ کر عالم شہزادگی میں زار سویا کرتا تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں کے دل بھر آئے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ دوسرا واقعہ اسی روز یہ ہوا کہ وہ پہلا شخص جس نے دست برداری کے بعد زار کا ساتھ دیا وہ اس کی والدہ تھی مگر جب ۲۱ر مارچ کو زار گرفتار کرکے زارسکوسیلو بھیجا گیا تو ماں اور بیٹے دونوں کو جدا کر دیا گیا۔ اور پھر ان کو ایک دوسرے کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوا دل شکستہ ماں ہجرت کرکے ڈنمارک چلی گئی اور ہمیشہ روتی رہی۔

۲۳ر مارچ کو پرنس ڈالگرو کی مارشل آف دی کورٹ کی معیت میں زار اپنے قصر زارسکوسیلو واقع پیٹرو گراڈ میں پہونچا جہاں زارینہ اس کا بیقراری کے ساتھ انتظار کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں زار کے پہونچنے سے قبل جنرل کارنیلاف کمانڈر افواج علاقہ پیٹرو گراڈ زارینہ کو اطلاع دے چکا تھا کہ وہ گورنمنٹ کے حکم سے زیر حراست کر لی گئی ہے یہ خبر سنتے ہی زارینہ پر ایسا گہرا سکوت طاری ہوا گویا اس کی روح پرواز کر گئی ہے اب اس کو انقلاب کی حقیقت کا احساس ہوا جنرل کارنیلاف کی آمد پر زارینہ پوری شان کے ساتھ ملاقات کے کمرہ میں جا بیٹھی اور جنرل مذکور کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔ جس وقت جنرل زارینہ کے سامنے پہونچا تو اس نے اس مغرور و متکبر عورت کو جو چند روز قبل کرۂ ارض کے چھٹے حصہ کی مالک تھی اس طرح خطاب کیا:-

جنرل :- مادام! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کھڑی ہو جائیں اور جو حکم میں آپ کو پہونچاتا ہوں اسے بگوش ہوش سنیں۔

زارینہ :- حکم!

گزشتہ تین صدی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ خاندان رومانوف کے کسی فرد نے اس قسم کے الفاظ سنے ہوں، مگر کیا کرتی مجبور تھی اور آخر کار اُسے یہ احکام سننا پڑے کہ وہ خود کو زیر حراست سمجھے۔ آئندہ افسر انچارج قصر شاہی کی اجازت کے بغیر نہ کوئی خط لکھے نہ وصول کرے تن تنہا باغ یا احاطہ میں گلگشت نہ کرے۔ اور جو حکم آئندہ دیا جائے اس کی فوراً تعمیل کرے۔

جس دن سے زارینہ الگزینڈرا نے سرزمین روس پر قدم رکھا تھا اس روز سے سیکڑوں بدشگونیاں ہو رہی تھیں۔ عین تاجپوشی کے دن پولس اور عوام کے درمیان تصادم ہوا جس میں صدہا آدمی مارے گئے قصر شاہی میں اسی شب بزم رقص و سرود برپا تھی مگر ماسکو کے سیکڑوں گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ لوگوں نے اس واقعہ کو شگون بد سمجھا تھا۔ اہل روس کے دل کبھی زارینہ کی محبت سے معمور نہ ہوئے اور وہ اس کو ہمیشہ مشتبہ نظروں سے دیکھتے اور غیر سمجھتے رہے۔

الغرض زار اور اس کا خاندان پانچ ماہ تک اپنے قصر گرما میں مقید رہا۔ لیکن اُن کے آرام وراحت اور احترام وعزت کا گورنمنٹ کو بہت خیال تھا۔ زار اپنا وقت مختلف قسم کے تفریحی مشاغل میں صرف کرتا تھا۔ جب کبھی بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرا جاتی تھی تو باغ میں گلگشت کرنے لگتا یا بیلچہ لیکر زمین کھودتا اور درخت نصب کرتا یا برف کھودنے لگتا۔ یا اگر زیادہ ورزش کی طرف طبیعت مائل ہوتی تو لکڑی چیرنے لگتا تھا۔ مگر زارینہ ہر وقت اپنے بچوں کی غور و پرداخت اور خدمت میں مصروف رہتی تھی کیونکہ تین شہزادیاں اور ولیعہد بیمار ہوگئے تھے۔ اور جس وقت اسے فرصت ملتی تھی تو وہ انجمن صلیب احمر کے لئے کپڑے سینے یا زخمیوں کے لئے پٹیاں بنانے لگتی۔ مگر زار و زارینہ کو ایک تکلیف انتہا درجہ کی یہ تھی کہ انھیں کھانے کے وقت بھی باتیں کرنے کی اجازت نہ دی جاتی تھی

قصر شاہی باقاعدہ محصور رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سنتری نے ہیجان پیدا کر دیا۔ اس نے رات کے وقت بندوق کا فیر کرکے اپنے افسر کو بلایا اور رپورٹ کی کہ قصر کی کھڑکیوں میں سے سُرخ و سبز روشنی کے ذریعہ سے خبر رسانی کی جا رہی ہے۔ افسر فوراً قصر کے اندر پہونچا اور تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ زار آرام کرسی پر بیٹھا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا اور اس کے لیمپ کا شیڈ سُرخ تھا۔ دوسری طرف شہزادی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھی اور اس کے لیمپ کا شیڈ سبز تھا۔ جب کبھی وہ ٹوکری میں سے قینچی یا کوئی دوسری چیز اٹھانے کے لئے جھکتی تو کھڑکی میں سے یکے بعد دیگرے سرخ و سبز روشنیاں نمودار ہوتی تھیں۔ یہی بات دیکھ کر سنتری گھبرا گیا تھا۔ اُس نے سمجھا کہ سرخ و سبز روشنیوں سے اشارہ کرکے کسی سے باتیں کی جا رہی ہیں۔

موسیو کرنسکی جو عارضی گورنمنٹ کا پروکیوریٹر جنرل تھا۔ اکثر قصر شاہی میں جاکر ملاقات کیا کرتا تھا۔ ۱۳/ اپریل کو اس نے جاکر زارینہ سے ملاقات کی اور کہا کہ :- ملکۂ انگلستان سابق زارینہ کی خیر و عافیت دریافت فرماتی ہیں"۔ یہ سنکر زارینہ کسی قدر شرمندہ ہوگئی کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسے "سابق زارینہ" کے لفظ سے خطاب کیا گیا۔

برطانیہ کو معزول زار و زارینہ کی حفاظت و سلامتی کا بڑا خیال تھا۔ اور برطانیہ کی طرف سے یہ تجویز بھی پیش کی گئی تھی کہ خاندان شاہی کو انگلستان بھیجدیا جائے مگر یہ تجویز نامنظور رہوئی۔ کیونکہ اس وقت بالشویکوں کا غیظ و غضب بھڑکا ہوا تھا۔ اور انھوں نے یہ دھمکی دی کہ اگر خاندان زار کو انگلستان بھیجنے کا ارادہ کیا گیا تو وہ ریلوے لائن اُکھاڑ کر پھینکدیں گے۔ یہ حالت دیکھ کر گورنمنٹ مجبور ہوگئی۔ ممکن تھا کہ بعد میں یہ تجویز بروے کار آسکتی مگر اسی اثنا میں لائڈ جارج کی پالیسی بدل گئی تھی۔

ایام اسیری زار نے تو قطعی بے پروائی کے ساتھ بسر کر دیے مگر زارینہ کو سخت صدمہ تھا۔ وہ ایک طرف رعایا سے بگڑی ہوئی تھی تو دوسری طرف زار سے کیونکہ اس نے اپنی دست برداری کے ساتھ ولیعہد کو بھی محروم الارث کر دیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اب اس کے خاندان کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا ہے چنانچہ ایک روز اس نے مارفہ موچانوو سے کہا کہ :-

"یہ لوگ ہمیں کسی قلعہ میں قید کر دینگے اور پھر ہم کو اسی طرح قتل کر ڈالیں گے جیسا کہ فرانسیسیوں نے لوئی شانز دہم کو کیا تھا" جب تقدیر اس طرح پلٹ گئی تو شہزادی اناستانیہ محسوس کر کے ایک دن رونے لگی۔ اس پر زارینہ نے کہا:۔ ابھی کیوں روتی ہو، یہ گریہ وزاری کسی دوسرے دن کے لئے ملتوی کرو"۔

۱۰ر اگست کو حکومت کے وزیر اعظم نے زار سے ملاقات کی اور حکم سنایا کہ خاندان شاہی سائبیریا کو منتقل کیا جائے گا"۔

خاندان زار کو اس طرح یکایک سائبیریا میں منتقل کئے جانے کی وجہ موسیو کرنسکی نے شہنشاہ کو یہ بتائی کہ آج کل ملک میں فتنہ وفساد برپا ہو رہا ہے اس لئے خاندان زار کی جانوں کو سخت اندیشہ ہے اور حکومت یہی مناسب سمجھی ہے کہ خاندان زار کو سائبیریا بھیجدیا جائے۔

الغرض ۱۴ر اگست کو صبح کے چھ بجکر دس منٹ پر سائبیریا کا سفر شروع ہوا۔ اس سے ایک روز قبل ولیعہد کی تیرہویں سالگرہ منائی گئی تھی۔ چھیالیس آدمیوں نے زار کے ساتھ بطیب خاطر جانا منظور کیا۔ اس طرح علاوہ فوجی دستہ کے شاہی جماعت ترپین آدمیوں پر مشتمل تھی ـــــ چونکہ سامان بہت زیادہ تھا اس لئے دو ٹرینیں درکار ہوئیں۔ مقام تیومین تک بذریعہ ریل سفر کیا گیا اور پھر وہاں سے دُخانی جہاز میں سوار ہو کر دریائی سفر کیا گیا۔ ۱۹ر اگست سہ پہر کو یہ جلا وطن شاہی جماعت منزل مقصود پر پہونچی۔

ٹوبوسک میں چند ماہ تک نہایت امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر ہوتی رہی۔ شہر کے گرجا میں خاندان شاہی کے لئے خاص طور پر نماز ہوتی تھی جس میں شریک ہونے کے لئے خاندان بھر کو اجازت دیدی جاتی تھی۔ بچے ہر طرح خوش تھے۔ شہر کے لوگ خاندان شاہی سے ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور شاہی خاندان کو ادب کے ساتھ سلام کرتے تھے۔ بعض لوگ تحفتاً کھانے پینے کی چیزیں بھی لا کر پیش کرتے تھے۔ مگر شکایت تھی تو یہ کہ زندگی شب وروز یکساں گذرتی ہے اور کوئی خبر نہیں ملتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

ستمبر ۱۹۱۷ء سے اس یکساں زندگی میں خلل پڑنا شروع ہوا۔ دو شخص پانکراٹوف اور نکولسکی یہاں پہونچے اور اُنھوں نے آتے ہی خاندان شاہی کے خلاف پروپگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محل کے در و دیوار پر خاندان شاہی کو گالیاں لکھی جانے لگیں۔ سپاہیوں نے سلام کرنا بند کر دیا۔ شہر کے گرجا میں جانا بھی روکدیا گیا اور نکولاس کو حکم دیا گیا کہ وہ آئندہ سے اپنے شاہی نشانات اور تمغے استعمال نہ کرے۔

اُدھر ماسکو میں رفتہ رفتہ موسیو کرنسکی کی حکومت کا زوال اور بالشویک کا عروج شروع ہوا۔ کرنسکی کے بجائے لینن کا نام لیا جانے لگا۔ دستوری جمہوریت کی جگہ اشتراکیت عسکریہ نے لے لی۔ گویا روس میں دوسرا انقلاب

رونما ہو گیا - جس نے خاندان رومانوف کو اس کے بدترین دشمنوں کے حوالہ کر دیا اور ماہ نومبر میں خاندان شاہی پر سختیاں ہونا شروع ہو گئیں - یہاں تک کہ کافی، دودھ، بالائی، مکھن اور شکر بھی بند کر دی گئی -

۲۲ر اپریل کو جاکولیف یہاں پہونچا اور زار کے محل میں جا کر اس نے زارینہ کو حکم دیا کہ وہ فوراً کمرہ سے چلی جائے مگر اس نے تعمیل کرنے سے انکار کر دیا - یہ سنکر جاکولیف نے زار سے کہا کہ - میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ماسکو کی مرکزی اگزیکیٹو کمیٹی کا نمائندہ ہوں - اور مجھے اس لئے مامور کیا گیا ہے کہ میں شاہی خاندان کو ٹوبولسک سے لیجاؤں - لیکن چونکہ اس وقت آپ کا بیٹا بیمار ہے اس لئے میرے پاس دوسرا حکم اس مضمون کا ہو چکا ہے کہ میں صرف آپ کو یہاں سے لیجاؤں " زار نے یہ سنکر کہا کہ میں کہیں نہیں جانا چاہتا - اس پر جاکولیف نے کہا کہ آپ انکار نہ کریں - کیونکہ میں گورنمنٹ کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوں - اگر آپ انکار کریں گے تو میں یا تو آپ کو جبراً یہاں سے لیجاؤنگا یا مستعفی ہو جاؤنگا - دوسری صورت میں ممکن ہے کہ گورنمنٹ کسی زیادہ سخت افسر کو تعینات کرنیکا فیصلہ کرے - بہر حال اگر آپ تن تنہا چلنا پسند نہیں کرتے تو آپ اوروں کو بھی اپنے ساتھ لے سکتے ہیں - بہر حال آپ تیار ہو جائیں - کیونکہ ہم کل چار بجے روانہ ہو جائیں گے "

جاکولیف نے یہ نہیں بتایا کہ وہ خاندان شاہی کو کہاں لیجانا چاہتے ہیں - الغرض یہ قرار پایا کہ زار کے ساتھ زارینہ اور شہزادی ماریہ جائیں اور دو شہزادیوں کو مع ولیعہد وہیں چھوڑ دیا جائے - لیکن ان کے روانہ ہونے سے چھ گھنٹہ پیشتر ٹوبولسک سے ایک اور شخص چپ چاپ روانہ ہو چکا تھا - یہ ایک یہودی النسل جاسوس زاسلافکی تھا - یہ شخص مقامی گارڈ سے ملکر جاکولیف کی باتیں معلوم کیا کرتا تھا اور بذریعہ تار ماسکو میں سفردلاف کو اطلاع دیتا تھا یہ شخص وہاں سے روانہ ہو کر چھ گھنٹہ پیشتر ایکاٹیرنبرگ پہونچا - اور وہاں اس نے موت کا جال بچھانا شروع کر دیا

۲۶ر اپریل کو ٹوبولسک سے سفر شروع ہوا - چونکہ اس وقت کوئی معقول سواری دستیاب نہ ہو سکتی تھی اس لئے دیہاتی چھکڑوں میں سفر کیا گیا - اور چونکہ راستہ خراب تھا اس لئے مسافروں کو سخت اذیت پہونچی اور اسی طرح ٹیومین کے ریلوے اسٹیشن تک ۲۰۰ میل کا سفر کیا گیا - ۲۸ر اپریل کو ٹوبولسک میں خبر دی گئی کہ مسافر بخیریت ہیں - لڑکے کا حال بیان کرو "

اس کے بعد ۷ر مئی تک بالکل خاموشی طاری رہی - بعد ازاں ایکاٹرنبرگ سے خیر و عافیت کا خط پہونچا - اور ۲۳ر مئی کو ولیعہد مع اپنی بہنوں کے اپنے والدین کے پاس پہونچ گیا - لیکن اب ولیعہد کے اتالیقوں کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا تھا -

اس کے بعد قید میں بے انتہا سختی شروع ہو گئی - عزت و احترام کی جگہ شقاوت برتی جانے لگی - اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نگہبان سپاہی اور افسر جوش انتقام سے اندھے ہو رہے ہیں - ایپاتیف کا محل جس میں خاندان

شاہی تھا۔ جیلخانہ بن گیا۔ محل کے چاروں طرف تختوں سے دو حصار تعمیر کرا دئے گئے۔ محل کی تمام کھڑکیاں بند کر دی گئیں حصار اور محل کے چپہ چپہ پر سخت پہرہ لگا رہتا تھا۔ ایک روز ایک شہزادی نے گھبرا کر جو کھڑکی کھولی تو فوراً سنتری نے گولی مار دی۔ شہزادی بال بال بچ گئی۔ محل کے سامنے ایک مکان کی چھت پر مشین گن نصب کر کے اس کا منہ محل کی طرف کر دیا گیا۔ محل کے زیریں منزل میں بالشویک گارد تعینات کیا گیا اور دوسری منزل پر خاندان شاہی کو رکھا گیا۔ جب شہزادیاں پاخانہ یا غسل خانہ میں جاتیں تو ان کو سپاہی چھیڑتے اور فحش بکتے۔ کھانا بہت خراب دیا جانے لگا۔ گارد کے سپاہی خاندان شاہی کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھاتے۔ اور اس وقت بھی پریشان کرتے۔ ایک روز اودلیف زار و زارینہ کے درمیان بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے دفعتہً اپنا بازو اس طرح موڑا کہ کہنی زار کی ٹھوڑی میں لگی۔ محل کے در و دیوار خصوصاً پاخانہ اور غسل خانہ کی دیواروں پر فحش باتیں لکھی جاتیں جن سے خانداں شاہی کو سخت روحانی اذیت پہونچتی۔ راسپوٹین اور زارینہ کے فحش کارٹون کھینچکر دیواروں پر بنائے جاتے ایک مرتبہ گارد کا ایک سپاہی حصار کی لکڑیوں پر چڑھ کر زارینہ کے کمرہ کی کھڑکی تک پہونچا اور اس کے سامنے فحش گیت گانے لگا۔ شہزادیوں نے باغ میں ایک جھولا ڈال رکھا تھا سپاہیوں نے اس کے تختے پر فحش باتیں کھود دیں خاندان شاہی کو باغ کی سیر کے لئے صرف پانچ منٹ دیئے جاتے تھے۔

اوائل ماہ جولائی میں گارد بدلا اور پہلے سے بھی زیادہ سختی کی جانے لگی۔ اب اس منظر میں تین نئے آدمی نمودار ہوئے جیورافسکی جو گارد کا افسر تھا۔ گولوشکین جو بالشویک پارٹی کا سرگرم ممبر تھا اور بیلو بورودااف جو کوہستان بورال کی سودیٹ گورنمنٹ کا نوجوان پریذیڈنٹ تھا۔ اس کی عمر صرف ٢٥ سال تھی یہ تینوں روسی خفیہ پولس کے سرگرم ممبر تھے۔ ان تین نوواردوں کے ساتھ لٹویہ کے رہنے والے دس سپاہی بھی آئے تھے جو اپنی شقاوت قلبی اور خون آشامی میں جواب نہ رکھتے تھے۔

اس دوران میں گولوشکین دو ہفتہ کے لئے چلا گیا اور وہاں سفر دلات سے صلاح و مشورہ کرتا رہا۔ جب ١٢ جولائی کو گولوشکین ماسکو سے واپس آیا تو اُس نے استور وجیف نامی ایک پادری کو طلب کر کے حکم دیا کہ وہ خاندان شاہی کے لئے نماز پڑھے۔

١٥ جولائی کو چار عورتیں محل میں لائی گئیں اور ان سے تمام زمین صاف کرائی گئی۔ اسی روز دو راہبہ عورتیں خاندان شاہی کے لئے دودھ لیکر آئیں ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دوسرے روز نہ صرف دودھ بلکہ ٹوکری میں پچاس عدد انڈے بھی لائیں۔ چنانچہ ١٦ جولائی کو اس فرمائش کی تعمیل کر دی گئی۔ کس کو معلوم تھا کہ یہ انڈے جلادوں کے ناشتہ کے لئے منگائے گئے ہیں چنانچہ جس جگہ لاشیں جلائی گئی تھیں وہیں انڈوں کے چھلکے بھی ملے۔

١٦ جولائی کو بروز منگل خاندان شاہی کو قتل کرنے کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پانچ سرکاری لاریاں آدھی رات

کے وقت محل کے پاس لاکر کھڑی کی گئیں - ان میں ایک لاری پر دو پیپے پیٹرائن تیل کے اور چند مرتبان گندھک کے تیزاب کے رکھے ہوئے تھے۔

۱۶ر جولائی ۱۹۱۸ء کو نصف شب کے وقت خاندان شاہی پڑا سو رہا تھا کہ جیورافسکی نے شہنشاہ زار کے کمرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا - جب زار نے دروازہ کھولا تو جیورافسکی نے کہا کہ امیر البحر کولچک کی فوج ایکاٹیرنبرگ آرہی ہے اور اب بازاروں میں گولیاں چلنے والی ہیں - اس لئے خاندان شاہی کو نیچے کی منزل میں اتر آنا چاہیئے اُس نے فوراً کہنا مان لیا اور تمام خاندان شاہی کپڑے پہنکر نیچے اتر آیا - اس وقت ان کے کپڑوں اور بستروں میں تقریباً پانچ لاکھ ڈالر کے جواہرات خفیہ طور پر سلے ہوئے تھے -

اوپر کی منزل سے اتر کر یہ لوگ نیچے صحن میں پہونچے - اور پھر وہاں سے ایک دالان میں گئے - اس کے آگے ایک کمرہ تھا جس کا صرف ایک دروازہ تھا - اور کمرہ کے اندر کافی روشنی ہو رہی تھی - جیورافسکی نے خاندان شاہی کو کمرہ میں داخل ہونیکا حکم دیا - سب سے پہلے وہ خود داخل ہوا اس کے بعد خاندان شاہی کے افراد و متوسلین جب یہ سب وہاں پہونچ گئے تو گیارہ سپاہی ریوالوروں سے مسلح داخل ہوئے -

کمرہ میں داخل ہوکر نکولاس نے خاندان شاہی کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں طلب کیں جو فوراً مہیا کی گئیں اُن پر سب لوگ بیٹھ گئے تو جیورافسکی نے یکایک شہنشاہ سے کہا کہ :- چونکہ تمھارے رشتہ دار تمھاری رہائی کی کوشش کر رہے ہیں اور ہم تمھیں بچا نہیں سکتے، اس لئے ہم مجبور ہیں کہ سب کو قتل کر دیں - زار نے دریافت کیا :- "تمھارا کیا مطلب ہے" ؟ جیورافسکی نے کہا :- "یہ" اور جیب سے ریوالور نکال کر فوراً زار کو گولی مار دی اور وہ مظلوم ایک ہی گولی میں فوراً سرد ہو گیا -

اس کے بعد گیارہ فیر اور ہوئے اور تمام خاندان شاہی خاک و خون میں غلطاں نظر آنے لگا - بارہواں فیر اس واسطے کیا گیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایک کتا بھی تھا -

اس کے بعد تمام لاشیں موٹر لاریوں پر بار کر کے ایکاٹیرنبرگ سے بارہ میل کے فاصلہ پر جھیل الیسیٹ کے کنارہ کے جنگل میں پہونچا دی گئیں اور وہاں مٹی کا تیل اور تیزاب ڈال کر اُن کو پھونک دیا گیا -

---

جنوری ۱۹۳۳ء کا نگار

جس میں عہد وحشت سے لیکر اس وقت تک عالم شہوانیات کی مکمل تاریخ ہوگی اور جو عجیب و غریب معلومات سے لبریز ہوگا ملاحظہ فرمانے کی چیز ہے -

مینجر نگار لکھنؤ

سحر سیقی

(ایک نیم مزاحیہ)

راجکمار رنبیر سنگھ ایک خوش پوشاک خوشرو بائیس سالہ نوجوان، ایک عالیشان ہوٹل کے آراستہ کمرے میں سوفے پر دراز ہے۔ قریب ہی ایک ڈاکٹر بیٹھا ہوا اس کی تسلی و تشفی میں مصروف ہے۔ ڈاکٹر عمر میں اپنے مریض سے تقریباً دس بارہ سال بڑا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی حرکات و سکنات چستی و چالاکی سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ابھی خود کو بیس اکیس سال سے زیادہ عمر کا نوجوان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے

کمرے کے وسطی دروازے نہایت فراخ اور بلند ہیں، لیکن بند ہیں۔ دروازوں کے بائیں جانب کمرے کے اندر کونے میں ایک بڑا ہارمونیم رکھا ہوا ہے جس کے محاذ میں ایک کرسی پڑی ہوئی ہے۔ داہنی طرف ایک کھڑکی ہے جس کے مقابلہ میں، وہ سوفہ ہے جس پر مریض نوجوان پڑا کراہ رہا ہے۔ قریب ڈاکٹر کی کرسی ہے جس کے برابر ایک چھوٹی سی میز پر ڈاکٹر کی ٹوپی، ایک پلیٹ، ایک دوا کی شیشی، ایک گلاس اور ایک گھنٹی رکھی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر۔ آؤ، آگے بڑھو، آدمی بنو، یہ بڑی بدتمیزی ہے۔ یوں بچوں کی طرح بلکنا تمھیں ہرگز زیب نہیں دیتا یقین کرو کہ تم بالکل اچھے خاصے ہو، تمھیں کوئی بھی مرض نہیں ہے۔ اس ضد کو چھوڑو۔ بالفرض اگر اس ہجوم پر تم نے گولی چلا ہی دی تو کونسی قیامت آگئی جو بار بار اسی بات کو دہرا رہے ہو۔؟!

راجکمار۔ (جوش کے ساتھ ڈاکٹر کی بات کاٹتے ہوئے) اُس ہجوم پر گولی چلانے میں، میری کوئی زیادتی نہیں ہے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے امن کی خاطر مجھے تمام رعایا کو تہ تیغ کر دینے کے اختیارات حاصل ہیں۔ قسمیہ اُس ہجوم پر گولی چلانے میں میری کوئی زیادتی نہیں ہے۔ اس ہجوم پر گولی چلانے میں میری کوئی زیادتی نہیں ہے۔ (ہمدردی کے لئے ڈاکٹر کا ہاتھ کھینچتے ہوئے) ڈاکٹر تم یقین کرو۔ قسمیہ اس ہجوم پر گولی چلانے میں میری کوئی زیادتی نہیں ہے —— اس ہجوم پر....

ڈاکٹر۔ (اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے اور مریض کو کوچ پر لٹاتے ہوئے) خدا کے لئے بار بار ان الفاظ کو مت دہراؤ ورنہ تم مجھے بھی اپنے ساتھ دیوانہ بنالو گے —— یہ سب اعصاب کے متاثر ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ ہوٹل ہے۔ اگر تم زیادہ بیہودگیاں کروگے تو نکال دیئے جاؤ گے۔

راجکمار۔ (آبدیدہ ہوکر) لیکن تمھاری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ آہ! کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس ہجوم پہ گولی چلانے میں..........

ڈاکٹر۔ (پریشان ہو کر چیختے ہوئے) اس ہجوم پر گولی چلانے میں تمھاری کوئی زیادتی نہیں ہے" یہ جملہ تین سو ساٹھ مرتبہ تم دہرا چکے ہو!

راجکمار۔ (اسی طرح چیختے ہوئے) پھر تم کیوں بار بار مجھ سے وہی سوال کرتے ہو؟ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ میں تم سے ہزار مرتبہ کہہ چکا کہ "اُس ہجوم پر گولی چلانے میں ....

ڈاکٹر۔ (گفتگو کاٹتے ہوئے) ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ سن لیا۔ مجھے معلوم ہے، خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ تمھاری کوئی زیادتی نہیں۔ تمھارا مطلق قصور نہیں ہے۔ اب میرا قصور بھی معاف کر دوگے؟

راجکمار۔ تمھارا کیا قصور تھا۔ دنیا مجھے ہی قصوروار ٹھہراتی ہے۔ صرف مجھے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اُس ہجوم پر گولی چلانے میں میری کوئی زیادتی نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ توبہ ہے! .... اچھا ——— تم ولیرین کی ایک خوراک اور پیو، اور ابھی پیو۔ (گلاس اٹھا کر مریض کے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے) ٹھیک ہے .... ذرا لیٹ جاؤ (کچھ دیر بعد) اب کہو کیا حال ہے؟

راجکمار۔ (خستہ و ماندہ آواز میں) معلوم نہیں ولیرین مجھے کیوں اتنا سکون پہونچاتی ہے جبکہ بلی پر اس کا اثر بالکل الٹا پڑتا ہے وہ آخر کیوں اُسے پی کر چیخنے چلانے لگتی ہے؟ .... یہ .... بیشک یہ مسئلہ غور طلب ہے ——— تجھے ڈاکٹر، واقعہ یہ ہے کہ مجھے فلاسفر بننا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر۔ فلاسفر پیدائشی ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔

راجکمار۔ یہ ایک عام بات ہے۔ ہر شخص پیدا ہوتا ہے۔ بنایا نہیں جاتا۔

ڈاکٹر۔ شاباش ——— معلوم ہوتا ہے کہ اب رفتہ رفتہ تمھارے اندر سمجھ آرہی ہے آج تمھارے ہوش و حواس بالکل جاتے رہے کل سے بھی زیادہ سخت دورہ پڑا۔ مجھے تمھاری حالت پر بڑا افسوس ہوتا ہے کاش میں اس دماغی اختلال کو یک لخت دور کر سکتا! .... اچھا بالفرض اگر تم ہارمونیم سے دل بہلاؤ تو کیا بُرا ہے؟

راجکمار۔ ہارمونیم میں نہیں بجا سکتا۔ میری انگلیاں میرے ارادے پر کام نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ میں اب ہارمونیم کی آواز کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آج صبح میں نے اتفاق سے اُسے چھیڑ دیا تو بے ساختہ میری چیخ نکل گئی۔

ڈاکٹر۔ خیر تم خود نہ سہی، کسی دوسرے بجانے والے کو کیوں نہیں بُلا لیتے؟

راجکمار۔ فرض کرو کہ میں اس کی آواز کو برداشت بھی کر لوں تو میں کس بجانے والے کو بلا سکتا ہوں؟ .... تم بھی تو بجانا جانتے ہو گے؟

ڈاکٹر۔ اونھ ——— صرف میں ہی دنیا میں ایک شخص نہیں رہ گیا ہوں۔

راجکمار۔ پھر؟ ——— اگر کوئی غیر شخص میرے کمرے میں داخل ہوا تو میں بالکل دیوانہ ہو جاؤنگا۔

سچ کہتا ہوں اس کھڑکی سے باہر کود کر خودکشی کر لونگا - میں ہارمونیم کی آواز کو برداشت ہی نہیں کر سکتا - مجھے اس سے خوف معلوم ہوتا ہے - میں اس سے نفرت کرتا ہوں - بھاڑ میں جائے -

ڈاکٹر - تو پھر بڑی مشکل آپڑی - تم سمجھتے ہو؟

راجکمار - کیوں مشکل کیا آپڑی؟

ڈاکٹر - یہ کہ جب تمھیں سرود و موسیقی سے بھی کچھ مس نہیں ہے - تو تمھارا بنیگا کیا؟ اور کسی قابل تو تمھارا دماغ ہے نہیں -

مریض - میں شہزادگاں کی کونسل میں ہوں - تمھیں معلوم ہے کہ میں مدار المہام بھی ہوں

ڈاکٹر - یہ تو اس لئے ہے کہ تمھارا باپ راجہ ہے اور تم ولیعہد سلطنت ہو - اگر تم کسی جمہوریت میں ہوتے تو شاید جوتے صاف کرنے کے قابل بھی نہ سمجھے جاتے - سنو راجکمار اگر تم نے بُری صحبت نہ چھوڑی اور موسیقی سے تمھیں کوئی دلچسپی نہ ہوئی تو یقین کر لو کہ مغربی سوسائٹی کے نزدیک تم بالکل مردہ ہو - میں ہز ہائینس کو مشورہ دونگا کہ وہ تمھیں ہرگز یوروپ نہ بھیجیں -

راجکمار - (چونک کر) کیا واقعی ڈاکٹر؟

ڈاکٹر - ہاں ——— لیکن تمھارے لئے علاج موسیقی ابھی ذرا قبل از وقت ہے - یہ رانی صاحبہ کا خیال ہے - میرے خیال میں ابھی ایک دو روز اور دیکھا جائے - غالباً وہ کسی مشہور ماہر موسیقی کو اس غرض کے لئے پابند بھی کر چکی ہیں ——— بہر حال اب مجھے جانا چاہئے - پھر آؤنگا - اس دوران میں جتنا تم سے آرام کیا جا سکے کرو - اگر سو نہ سکو تو کچھ پڑھو -

راجکمار - کیا پڑھوں؟

ڈاکٹر - کوئی میگزین ——— کوئی رسالہ -

راجکمار - لیکن رسالے تو بہت خشک ہوتے ہیں - انھیں میرا دماغ برداشت نہیں کر سکتا -

ڈاکٹر - اوہ ——— تو جانے دو - بس سو رہو - میں تمھیں ایک اور خواب آور دوا دیتا ہوں (وہ جیب سے دواؤں کا کیس نکالتا ہے) راجکمار یہ کیا ہے؟ ——— ورنال؟

ڈاکٹر - ہاں ——— اس طرح مت ڈرو - یہ ایک پرانا نسخہ ہے - یعنی محض افیون .... لو! (راجکمار اس کے ہاتھ سے گولی لیتا ہے)

ڈاکٹر - مجھے یقین ہے کہ یہ کامیاب ثابت ہوگی - اگر آدھ گھنٹہ بعد تم یہ محسوس کرو کہ اس سے تمھارا جوش و خروش بڑھ گیا ہے تو دوسری بھی کھا لینا - میں رکھے جاتا ہوں (وہ پلیٹ میں ایک گولی اور رکھ دیتا ہے اور دواؤں کے ڈبے کو جیب میں

ڈال لیتا ہے)

راجکمار۔ زیادہ بہتر ہوتا اگر تم بہت سی گولیاں چھوڑ جاتے۔ میں گولیوں کو ہمیشہ پسند کرتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ شکریہ! میں تمھیں عدالتی ملزم نہیں سمجھ رہا ہوں جس کی ہر درخواست پر رعائتی نظر ڈالنا پڑتی ہے۔ تمھیں معلوم ہوگا؛ اگر معلوم نہیں ہے تو ہونا چاہیئے کہ افیون زہر ہے۔

راجکمار۔ بیشک افیون زہر ہے۔ لیکن گولیاں تو زہر نہیں ہوتیں۔

ڈاکٹر۔ بحیثیت ڈاکٹر میں گولیوں سے تمھیں متنفر کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ اتنی گولیاں تمھارے پاس چھوڑ بھی نہیں سکتا جن سے تم اپنا کام تمام کرلو (وہ اپنی ٹوپی سنبھالتا ہے)

راجکمار۔ مہربانی فرماکر آپ باہر جاتے ہوئے لوگوں سے کہتے جائیں کہ یہاں آنے کی کوئی صاحب زحمت نہ فرمائیں میں سچ کہہ رہا ہوں کہ اگر کوئی غیر آدمی میرے پاس آیا تو میں کھڑکی سے کود کر جان دیدونگا۔ تم جانتے ہو کہ میں اجنبی آدمیوں کو مطلق برداشت نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر۔ فی الحال تمھیں مار ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم اطمینان رکھو۔ کوئی نہیں آئے گا۔ اچھا خدا حافظ! (وہ وسطی دروازے کی طرف قدم بڑھاتا ہے)

راجکمار۔ تم اس دروازے سے نہیں جاسکوگے میں نے رانی صاحبہ سے کہکر اس میں قفل لگوادیا ہے اور کنجی انہی کے سپرد کردی ہے۔ مجھے بالکل اطمینان ہے کہ کوئی شخص اس دروازے سے اندر نہیں آسکتا جبتک کہ خود رانی صاحبہ اسے کنجی نہ دیں۔

ڈاکٹر (واپس لوٹ کر) ٹھیک ہے۔ اچھا! .... اب اپنی روانگی سے پہلے میں تمھیں بحالت آرام دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے جانے سے قبل تمھیں سو جانا چاہیئے۔ (راجکمار کروٹ لیکر سونے کے لئے لیٹ جاتا ہے ڈاکٹر دبے پاؤں چھوٹے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور چپکے سے باہر نکل جاتا ہے)

راجکمار (یکایک مجنونانہ انداز سے اٹھکر، ہارمونیم کی طرف خوف سے تکتے ہوئے) ڈاکٹر! ڈاکٹر!! دوڑو! مجھے بچاؤ!!!

ڈاکٹر۔ (تیزی سے کمرے میں داخل ہوکر) کیا ہوا خیر ہے؟؟

راجکمار۔ (ہارمونیم کی طرف دوبارہ مشتبہ نگاہیں ڈال کر) کچھ نہیں! (پھر سونے کے لئے لیٹ جاتا ہے)

ڈاکٹر۔ ایں کچھ نہیں۔ ضرور کچھ نہ کچھ بات ہے ورنہ تم اس طرح نہ ڈکارتے (اس کا ہاتھ کھینچکر اپنی طرف کروٹ دلاتے ہوئے) ادھر دیکھو! ——— بتاؤ کیا افتاد پڑی؟

راجکمار۔ کچھ نہیں! اب تو چلا گیا۔

ڈاکٹر۔ کیا چلا گیا؟

راجکمار - گھڑیال !

ڈاکٹر - گھڑیال ؟!!

راجکمار - ہاں گھڑیال ! اُس نے پہلے تو مجھے دیکھ کر قہقہہ لگایا اور پھر اپنی دُم سے ہارمونیم بجانا چاہتا تھا

ڈاکٹر - صرف افیون کا کرشمہ ہے ! وہ کم مقدار میں تمھیں موافق نہیں آئی میرے عزیز دوست تمھیں دوسری گولی بھی ابھی کھانی پڑے گی - (پلیٹ سے دوسری گولی اٹھاتے ہوئے)

راجکمار - لیکن اگر ابکی مرتبہ دو گھڑیال آگئے - تو ؟ !

ڈاکٹر - بیوقوف ہو ! اب نہیں آئیں گے - اگر کوئی چیز آئی بھی تو اس مرتبہ وہ ضرور کوئی خوبصورت چیز ہوگی - افیون کا یہی قاعدہ ہے، وہ اسی طرح اثر کیا کرتی ہے - بہرحال دس منٹ کے اندر تمھیں ضرور نیند آجائیگی - لو - اسے بلا تامل نگل جاؤ !

راجکمار - (گولی نگلنے کے بعد) واقعی مینے بڑی بزدلی دکھائی - لیکن ڈاکٹر یہ واقعہ ہے کہ مینے اس گھڑیال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا -

ڈاکٹر - دیکھا نہ ہوگا - اس چیز کے متعلق پریشان ہونا فضول ہے جسے بند آنکھوں سے دیکھا جائے -

راجکمار - یہ صحیح ہے ——— اچھا تم جا رہے ہو - خدا حافظ .... ذرا سنا، تمھیں تکلیف تو ہوگی لیکن جانے سے پہلے ذرا اس سوفے کے نیچے اور دیکھتے جاؤ - کہیں وہ کمبخت اُس کے نیچے نہ چھپا بیٹھا ہو ———

ڈاکٹر - آپ خود ہی تکلیف فرمائیے - اور زیادہ اطمینان ہو جائیگا -

راجکمار - میری تو ہمت نہیں پڑتی -

ڈاکٹر - احمق کہیں کا ——— (سوفے کے نیچے دیکھ کر) بالکل میدان صاف ہے - کسی گھڑیال وغیرہ کا پتہ نہیں ہے - بالکل پاؤں پھیلا کر سوؤ ——— خدا حافظ - (وہ باہر چلا جاتا ہے)

راجکمار آنکھ بند کر کے لیٹ جاتا ہے، پانچ منٹ کے بعد وسطی دروازے کا قفل کھلتا ہے اور ایک نوجوان حسین عورت اپنے ہاتھوں میں پھولوں کا گچھا لئے ہوئے داخل ہوتی ہے اور کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالتی ہے - پھر جیب سے ایک خط نکالتی ہے اور اُسے پڑھتے ہوئے بار بار کمرے میں متجسس نگاہ ڈالتی جاتی ہے - ہارمونیم دیکھ کر ایک اطمینان کا سانس لیتی ہے - راجکمار کو سوتا ہوا دیکھ کر بھی اُسے کوئی تعجب نہیں ہوتا - وہ اُس سے مخاطب ہونا بیکار سمجھتی ہے - بالآخر جب اُسے پورا اطمینان اس امر کا ہو جاتا ہے کہ وہ ٹھیک پتہ پر آئی ہے تو وہ ہارمونیم کے پاس آجاتی ہے اور باہر کھڑے ہوئے شائقین کے انتظار کو اس طرح بڑھاتی ہے کہ پہلے پھولوں کا گچھا شمعدان پر

رکھتی ہے پھر اپنے دستانے نزاکت سے اُتار کر پھولوں کے پاس رکھ دیتی ہے۔ پھر انگلیوں سے جواہرات کی انگوٹھیاں نکال کر احتیاط سے جیب میں رکھ لیتی ہے پھر بورڈ اٹھا کر سُروں پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈالتی ہے اور کرسی پر بیٹھ کر آہستہ سے دھونکنی پر پاؤں جما دیتی ہے ——— غرض ایک پیشہ ور ماہر فن کے وہ تمام ارکان پورے کرنے کے بعد جو وہ اپنے فن کی نمائش سے قبل بطور فرض ادا کرتے ہیں ——— وہ بالآخر ہارمونیم پر اپنی انگلیاں رواں کر دیتی ہے اور نہایت ہی دل کش طرز میں ایک راگ چھیڑ دیتی ہے ——— راگ کی آواز پر راجکمار چیخ مار کر چونک اُٹھتا ہے۔ اور صوفے سے گر کر خوفناک آوازیں نکالتے ہوئے فرش پر لوٹنے لگتا ہے۔

نوجوان حسینہ یکایک اپنا ہاتھ روک لیتی ہے اور حیرت و استعجاب سے اس کی صورت دیکھنے لگتی ہے۔

راجکمار۔ اوہ! اوہ! اوہ!! ——— گھڑیال ——— مگرمچھ ——— ارے دوڑو ——— بچاؤ ——— ٹھہرو (وہ آنکھیں پھاڑ کر بغور ہارمونیم کی طرف دیکھتا ہے اور نوجوان حسینہ پر اپنی نگاہیں گاڑ کر زیر لب کہتا ہے) ایں؟ .... اچھا ——— یہ بات ہے!

نووارد حسینہ۔ اس بیہودہ شور و شغب کا کیا مطلب ہے؟ خصوصاً اس وقت جبکہ میں اپنا آرٹ دکھا رہی ہوں۔ مجھے تمھاری جسارت پر حیرت ہے۔ کیا تم بالکل خارج از عقل ہو؟ کیا تمھیں عمر بھر کسی سوسائٹی میں بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا؟ ——— جواب دو۔!

راجکمار۔ (فرش پر بیٹھے ہوئے) مجھے افسوس ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

نووارد حسینہ۔ معافی؟ ——— تم اس کا جواب دو کہ تم نے یہ بدتمیزی کی کیوں؟

راجکمار۔ میں نے یہ خیال کیا کہ تم گھڑیال ہو!!

نووارد حسینہ۔ کتنی لغو بات ہے! کس قدر بیہودہ ——— کیا میری صورت گھڑیال سے مشابہ ہے؟!

راجکمار۔ نہیں۔

حسینہ۔ پھر کیا میں گھڑیالوں جیسا ہارمونیم بجاتی ہوں؟

راجکمار۔ (ہوشیاری سے اُٹھ کر اس کے قریب پہونچتے ہوئے) نہیں .... میں یہ نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ یہ اندازہ کرنا بہت دشوار ہے کہ ایک گھڑیال کس قسم کا ہارمونیم بجا سکتا ہے ——— پھر مقابلہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

حسینہ۔ لغویت ——— (وہ پھر بجانا شروع کر دیتی ہے)

راجکمار۔ بس! (وہ اُس کا ہاتھ کھینچ کر پردوں پر تختہ کھینچ لیتا ہے) براہِ مہربانی یہ بتایئے کہ آپ کو اندر آنے کی اجازت کس نے دی؟ اور آپ آئیں کس راستہ سے؟

حسینہ۔ (غصہ سے اُٹھکر) تمھیں اس سے کیا غرض؟

راجکمار۔ (بزدلی سے ہٹکر) یہ میرا کمرہ ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں۔

حسینہ۔ کمرہ ہوٹل والے کا ہے اور رانی صاحبہ امور گڈھ کے پاس کرایہ پر ہے۔ یقیناً یہی وہ کمرہ ہے جس کی اُنھوں نے مجھے کنجی دی ہے اس لئے کہ کنجی اس کمرے کے قفل میں صحیح لگی ہے۔

راجکمار۔ مگر اُنھوں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں، بشرطیکہ آپ کو ناگوار نہو

حسینہ۔ بیشک یہ مجھے ناگوار ہے، اس لئے کہ عام آدمیوں کو مجھ سے یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بہر حال تمھیں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ تم مخاطب کس سے ہو ——— میں مشہور ماہر موسیقی "تارا بائی" ہوں۔!

راجکمار۔ کیا "بلبل بنگال" مس تارا بائی! ——— خوبصورت بلا" تارا بائی ——— ؟؟

تارا بائی۔ ہاں بیٹے "خوبصورت بلا" میں پارٹ کیا، اور اس کھیل کی شہرت بھی میری ہی وجہ سے ہوئی۔ لیکن تمھاری گفتگو کا انداز نہایت گستاخانہ ہے۔ کوئی بھلا آدمی کسی باوقار کنواری سے اس طرح پیش نہیں آ سکتا جس طرح تم میری تذلیل کر رہے ہو۔ بس اب تمھاری خیر اسی میں ہے کہ سیدھے اپنے سونے پر جاکر دراز ہو جاؤ اور اپنی زبان کو لگام دو۔ ورنہ کمرے سے نکل جاؤ۔

راجکمار۔ لیکن تمھیں معلوم ہے کہ میں بیمار ہوں۔

تارا بائی۔ بیمار ہو تو شفاخانہ جاؤ یا ڈاکٹر بلانے کے لئے آدمی بھیجو۔ (یہ کہکر وہ پھر ہارمونیم کھول لیتی ہے)

راجکمار۔ (دو زانو ہوکر ہاتھ جوڑتے ہوئے) پرماتما کے لئے تم ہارمونیم نہ بجاؤ۔ میں کسی طرح اسے برداشت نہیں کر سکتا اگر تم نے ذرا بھی کسی پردے کو ہاتھ لگایا تو میں اپنے ہوش و حواس کھو دونگا۔

تارا بائی۔ (تختہ اُٹھاتے ہوئے) تو پھر مجھے ضرور ہی بجانا چاہئے۔

راجکمار۔ (بدحواسی سے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) تم ہر گز نہیں بجا سکتیں۔

(تارا بائی برہمی سے اٹھتی ہے۔ راجکمار بدستور اس کے ہاتھ پکڑے رکھتا ہے۔ اور اسی حالت میں بے ساختہ کہنے لگتا ہی آہ! تمھارے ہاتھ کتنے سندر ہیں!؟

تارا بائی۔ (فرش پر دھکا دیکر گراتے ہوئے) صرف ایک بات تم نے بالکل سچ کہی ہے۔

راجکمار۔ (فرش پر پڑے پڑے گھورتے ہوئے) تم طاقتور بھی ہو!

تارا بائی۔ (میرے بازوؤں کی قوت بائیں سپتک کا ٹپہ بجانے میں بڑھی ہے) اس طرح! (وہ بائیں سپتک پر ایک راگ چھیڑ دیتی ہے اور ایک نہایت دلآویز تان لیتی ہے ——— راجکمار کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے مگر بدستور اُسے گھورتا رہتا ہے)

تارا بائی - (رک کر) میں اس طرح ہرگز نہیں گا سکتی کہ میرے سامنے ایک شخص اپنے کانوں میں انگلیاں دیئے بیٹھا ہو - یہ میرے فن کی توہین ہے - آپ فوراً کمرے سے نکل جائیے!!

راجکمار - لیکن یہ کمرہ میرا ہے - تمھارا نہیں -

تارا بائی - (اٹھ کر) کوئی مضائقہ نہیں - فوراً یہاں سے نکل جاؤ - میں حکم دیتی ہوں - ورنہ ابھی گھنٹی بجا کر ملازموں سے نکلوا دونگی - (وہ بڑھ کر میز کے قریب جاتی ہے اور اپنی نازک انگلی گھنٹی پر رکھ دیتی ہے)

راجکمار - (اس کے پیچھے دوڑ کر) نہیں! اپنی جوانی کا صدقہ، مجھپر رحم کرو - تم گھنٹی بجاؤ گی تو ضرور کوئی نہ کوئی آجائیگا اور میں اس کی صورت دیکھتے ہی دیوانہ ہو جاؤنگا -

(تارا بائی اپنے بائیں ہاتھ کے جھٹکے سے اُسے پیچھے گرا دیتی ہے - وہ پھر ملتجی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے لجاجت سے کہتا ہے) ——— کیا تمھیں میری حالت پر ترس نہیں آتا؟ تم نہیں دیکھتیں کہ میں بیمار ہوں؟!

تارا بائی میں دیکھتی ہوں کہ تمھارا دماغ خراب ہے - لیکن اس سے مجھے کیا - رانی صاحبہ نے پانچسو گنی صرف اسی غرض سے میرے نذر کی ہیں کہ میں دو گھنٹہ تک اس کمرے میں اپنے فن کے جوہر دکھاؤں - میں اسکی عادی نہیں ہوں کہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کروں خصوصاً پانچسو گنی والا وعدہ ایفا کرنا تو میں اپنی زندگی کا پہلا فرض سمجھتی ہوں - (وہ پھر باجے کی طرف بڑھتی ہے)

راجکمار - لیکن کیا رانی صاحبہ نے میرے متعلق کچھ نہیں کہا -

تارا بائی - (رخ پھیرتے ہوئے) ہاں اُنھوں نے کہا تھا کہ اس کمرے میں ایک بیوقوف نوجوان پڑا ہوا ہے مگر اس کا بھی مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ صرف اپنے ہی لئے خطرناک ہے دوسرے کے لئے نہیں (وہ راجکمار کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اُسے پیچھے بٹھا دیتی ہے) واضح رہے کہ میں تمھاری ان بیہودگیوں کو اب برداشت نہیں کرونگی کہ جسوقت میں کوئی راگ شروع کروں تم کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بیٹھ جاؤ ——— سنو یا نکل جاؤ!

راجکمار - (مجبور ہو کر) اچھا تو میں زینہ میں بیٹھ جاؤنگا اس لئے کہ دوسرے کمروں میں آدمی بیٹھے ہونگے وہاں میں کیسے جا سکتا ہوں؟

تارا بائی - بیوقوف! زینہ میں بھی سیکڑوں آدمی بیٹھے ہیں - ہر سیڑھی پر پانچ پانچ چھ چھ سے کم نہیں ہیں وہ مجمع علیحدہ رہا جو میری آواز سننے کے لئے نیچے سڑک پر بیتاب ہے -

راجکمار - کتنی خوفناک بات ہے؟! (آبدیدہ ہو کر) مجھے اس طرح لاچار کرنے کا تمھیں کوئی حق نہیں ہے - میں بیمار ہوں - میں اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتا اور اگر تم گانا شروع کر دگی تو میں کھڑکی سے گر کر خودکشی کر لونگا -

تارا بائی - (ہنستے ہوئے) تمھیں میری قسم ضرور کرو - یہ میری شہرت کے لئے بہترین اشتہار ہوگا اور

میں تمھاری بیحد ممنون ہونگی (یہ کہکر وہ پھر ہارمونیم کے سامنے آبیٹھتی ہے اور بجانے کے لئے تیار ہوجاتی ہے)

راجکمار۔ (کھڑکی کے پاس آکر) جب تم میرا مردہ جسم خود دیکھوگی تو یقیناً تمھیں اس کا افسوس ہوگا کہ تم نے میری حالت پر ترس نہ کھایا۔ (یہ کہکر وہ کھڑکی کھول کر باہر کی طرف جھانکتا ہے اور زچ کر تیزی سے بند کرلیتا ہے) کتنا بڑا ہجوم ہے ——— پرماتما!!

تارابائی۔ (خوش ہوکر) اب غالباً تم شوق سے میرے فن کی داد دینے کے لئے تیار ہو؟ (وہ نہایت مدھم سروں میں ایک راگ شروع کرتی ہے)

راجکمار۔ (عاجز آکر) میں اُس موت کے مقابلہ میں اِس موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

تارابائی۔ (باجے پر بدستور ہاتھ رواں رکھتے ہوئے۔ طنزاً) شکریہ!

راجکمار۔ واقعہ یہ ہے کہ میں خود بھی اچھا خاصہ بجانا جانتا ہوں۔

تارابائی۔ (بدستور بجاتے ہوئے) غالباً مبتدی ہو!

راجکمار۔ مجھسے میرے اکثر دوستوں نے کہا کہ اگر میں موسیقی کا شوق جاری رکھوں تو اچھے اچھے پیشہ وروں کو نیچا دکھا سکتا ہوں۔ مگر میری جیسی پوزیشن رکھنے والے کے لئے پیشہ وروں کے مقابلہ میں آنا نازیبا ہے

تارابائی۔ (یکایک باجے سے ہاتھ ہٹاکر) یہ تو تم نے خوب بات بتائی۔ حالانکہ مجھے اس کا یقین نہیں تاہم کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ کون کون سے راگ کی آپ کو مشق ہے۔

راجکمار۔ اُونھ، کیا گنتی ہوسکتی ہے، سب اچھی اچھی راگنیوں سے میں واقف ہوں۔

تارابائی۔ مثلاً

راجکمار۔ میری جان تم مجھسے واقف نہیں ہو۔

تارابائی۔ (برہمی سے) احمق! یہ الفاظ کہنے کی تجھے کیونکر جرات ہوئی؟ کیا تو نے مجھے پیشہ ور عورت سمجھا ہے؟

راجکمار۔ تمھیں غلط فہمی ہوئی۔ یہ تو ایک راگ ہے جس کا مینے نام لیا۔ سنو میں تمھیں بجاکر دکھاتا ہوں۔ (وہ ہارمونیم پر بیٹھ جاتا ہے) غالباً تمھیں اُس کا یقین نہیں ہے کہ میں باجہ بجانا جانتا ہوں۔

تارابائی۔ جی نہیں۔ یقین کیوں نہیں۔ مینے سرکس میں ایک گدھے کو بھی ہارمونیم بجاتے دیکھا ہے۔ سب مجھے اب ہر بات کا یقین ہے۔

راجکمار۔ ہائے ——— "میری جان تم مجھسے واقف نہیں ہو" (وہ ہارمونیم پر بجاتا ہے) آہا "میری جان تم مجھسے واقف نہیں ہو" ——— دیکھا! کچھ سمجھیں؟

را بائی - کیا کہنے ہیں! واقعی موسیقی پر تمھارا بڑا زبردست احسان ہے!

اجکمار - آہا - میری چھوٹی سی گڑیا!

ارابائی - مزے میں آگئے ——— پاجی کہیں کا (یہ کہکر وہ اُسے کرسی سے دھکا دیکر گرا دیتی ہے اس طرح کہ وہ دو تین قلابازیاں کھاکر فرش پر دور جا گرتا ہے -) ——— واقعی خوب گڑیا ہے -!!

اجکمار - ارے - یہ تمھیں یکایک کیا ہوا؟ تمھیں معلوم نہیں کہ یہ بھی ایک راگ ہے - معلوم ہوا کہ تم بہترین قسم ے گانوں سے بالکل ناواقف ہو - (کوٹ جھاڑتے ہوئے اُٹھکر) ذرا طبیعت کو قابو میں رکھ کر - غور سے سنو - پھر ہارمونیم کے سامنے کرسی ڈال کر بجانے لگتا ہے) "آہا رے - آہا رے - میری چھوٹی سی گڑیا ——— چھوٹی سی گڑیا ——— ننھی سی گڑیا ——— آہا جی، آہا جی میری ...."

ارابائی - بس معاف کیجئے! آپ میرا نام کیوں بدنام کر رہے ہیں - لوگ نیچے سمجھتے ہوں گے کہ یہ حماقت مجھے ورہی ہے، انھیں کیا معلوم کہ آپ شوق فرما رہے ہیں - ہٹو - اَب میں تمھیں بتانا چاہتی ہوں کہ موسیقی کیا چیز ہے

اجکمار - (ڈر کر) تمھاری مراد پکے گانوں سے تو نہیں ہے؟

ارابائی - ہاں ——— (راجکمار دوڑ کر زینہ کے دروازے پر پہونچ جاتا ہے)

ارابائی - (برہمی سے) احمق کہیں کا! (بیٹھ کر بجانے لگتی ہے)

اجکمار - (بھاگ کر تارابائی کے پاس آتے ہوئے) میں بھول گیا - زینہ پر بہت آدمی بیٹھے ہیں - پورا ہجوم ہے اہ! اَب میں کیا کروں؟ خدا کے لئے پکے راگ نہ چھیڑو - پکی چیزوں کو رہنے دو - میں بالکل برداشت نہیں سکتا - (تارابائی راجکمار کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالتے ہوئے اور نہایت ہی سہانے سروں میں "بہاگ" الاپتی ہے)

اجکمار - واہ — واہ - یہ تو خوب چیز ہے! (تارابائی نگاہوں میں مسکراتی ہے)

اجکمار - (کچھ دیر خاموش سنتا رہتا ہے - پھر یکایک کہتا ہے) آہاہاہا - میں سچ کہہ رہا ہوں اس وقت میرے ل میں یہ خواہش ہے کہ تم صرف میری چھوٹی سی گڑیا ہوتیں - (تارابائی یکایک پنچم کے سروں میں شاہانہ شروع ردیتی ہے - راجکمار بیچین ہو کر چلانے لگتا ہے) بس رہنے دو - پرماتما کے لئے اسے بند کر دو میں مرا ......!

ارابائی (انترہ پورا کر کے دوبارہ انگلیاں اُٹھاتے ہوئے) بولو؟ اَب تو بیہودہ الفاظ نہیں کہوگے؟

اجکمار - نہیں - مجھے قصور ہوا!

ارابائی - (مطمئن ہو کر باجے سے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے) خیر!

اجکمار - (پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے) اوفوہ! یہ تو بہت ہی ٹھوس قسم کا پکا گانا تھا - میرے کان کے پردے اُڑ گئے!

تارا بائی - تمھاری ہمت کو مضبوط بنانے کے لئے اسی کی ضرورت تھی - علاوہ اس کے میں صرف تفریحی راگ سنا کر خود کو بالکل جنگی بانے کا مستحق نہیں سمجھتی - اچھا اب سخت سے سخت چیز سننے کے لئے تیار ہو جاؤ میں تمھیں آدمی بنانا چاہتی ہوں -

راجکمار - (گھبرا کر) کس طرح ؟

تارا بائی - باگیسری اور بھاگ کے صرف کومل سروں سے مالکوس نکال کر ——— تم دل میں یہ خیال کرو گویا کسی جنگ پر جا رہے ہو -

راجکمار - باگیسری ——— ! مالکوس ——— !! (پھر دروازے کی طرف بھاگتا ہے اور پہلے کی طرح پھر واپس آکر گڑگڑانے لگتا ہے) لوگوں کا ہجوم پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا ہے - کیا تمھیں میری حالت زار پر ذرا ترس نہیں آتا -

تارا بائی - اچھا - ادھر آؤ - یہ مت خیال کرو کہ تم جنگ پر جا رہے ہو - محض یہ خیال کر لو گویا تم بہادری کے ساتھ لڑ کر اپنے ملک کو دشمنوں کے پنجے سے چھڑا کر ابھی ابھی میدان جنگ سے واپس ہوئے ہو اور اس وقت اپنی قوم کی اُن حسین و جمیل لڑکیوں میں بیٹھے ہو جو تمھارے شاندار کاموں پر فخر کر رہی ہیں کیا تم تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال اپنے ذہن میں لا سکتے ہو ؟

راجکمار - ہا ——— ں - کیوں نہیں - بلکہ میں تو خود کو عموماً اسی حال میں پاتا ہوں -

تارا بائی - تو ٹھیک ہے ——— اب سنو ! (وہ رفتہ رفتہ باگیسری شروع کر دیتی ہے، پھر اس میں مختلف راگنیوں کے سر ملا کر مالکوس نکالتی ہے - راجکمار پہلے یکایک چونک اٹھتا ہے پھر بتدریج اس کو سکون ہو جاتا ہے پھر اکڑ کر بیٹھ جاتا ہے - پھر سپاہیانہ انداز سے پٹخنے لگتا ہے اور کبھی کبھی بہادرانہ طور پر سینہ نکال دیتا ہے - تارا بائی ہمت افزا، محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہتی ہے اور نہایت قادرانہ طور پر ساز و آواز کو ملا کر ایک سماں باندھ دیتی ہے)

راجکمار - (بہت دیر تک اسی طرح مدہوش رہ کر) واہ، واہ ! کیا سماں ہے !

تارا بائی - (گانا بند کر کے محض باجہ بجاتے ہوئے) کیا تم یہ سُر نکال سکتے ہو ؟ محض یہ سُر (وہ بھیرویں کے صرف ابتدائی سروں کو چھیڑتی ہے) پھر آواز سے انھیں الاپتی ہے -

راجکمار - (فخر سے) ہاں ہاں کیوں نہیں صرف ——— سا - گا - ما - رے - سا ——— سا - گا - ما - رے - سا - (وہ باجے پر بیٹھ جاتا ہے) سا - گا - ما - رے - سا ....

تارا بائی - نہیں - (اپنی انگلیوں سے) ایسے ! ——— سنو - دھیمے سے پنچم کی طرف (الاپ کر) آ - آ - آ - آ -

آ - (دھیرا کر بتدریج آواز اُٹھاتے ہوئے) آ - آ - آ - آ - آ ———— پہلے نہایت آہستہ پردے کو چھیڑو - بالکل شاما جیسا نغمہ - پھر رفتہ رفتہ سُر بڑھاؤ، یہاں تک کہ تمھاری روح تمھاری آواز کی ہمنوا ہو جائے -

راجکمار - میں سمجھ گیا - بیٹھو - ایک سبتک پر تم بیٹھ جاؤ، ایک پر میں دونوں ساتھ بجائیں گے - (وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ کر بجاتے ہیں - ہر اختتام پر راجکمار جوش سے چلا اٹھتا ہے ——— ہاں ایک بار پھر! .... کئی بار بجانے کے بعد تارا بائی راجکمار کا ہاتھ جھٹک دیتی ہے اور تنہا بھیرویں شروع کرتی ہے)

راجکمار - (بڑبڑاتے ہوئے) عجیب وغریب عورت ہے! بالکل حیرت انگیز!! ———— تمھارے ہیمنِل نن کا میں دل وجان سے قائل ہو گیا ہوں - سنتی ہو پیاری تارا ——! (وہ یکایک بھیانک سروں کو چھیڑ دیتی ہی)

راجکمار - نہیں ———— میں بھولا ———— مس تارا بائی، "بلبل بنگال"!

تارا بائی - اَب ٹھیک ہے - لیکن میں خود کو تمھاری زبان سے "عجیب وغریب عورت" کھلوانا زیادہ پسند کرتی ہوں -

راجکمار - مس تارا، تم یقیناً عجیب وغریب عورت ہو، تمھارا گانا سننے کے بعد میں اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں - اجازت ہو تو ذرا سی ولیرین پی لوں - اس لئے کہ مجھ میں جوش ذرا زیادہ بڑھ گیا ہے ———— (ایک خوراک پی کر) آہا ہا - اب نسبتاً مجھے بہت سکون ہے - میری پیاری! (تم اس طرح نہ دیکھو یہ الفاظ میرے دل سے نکل رہے ہیں) واقعہ یہ ہے کہ میری زندگی مسرور نہیں ہے - میں اپنی موجودہ حالت سے اکتا گیا ہوں - پبلک سے مجھے سخت نفرت ہے اور راج کے انتظامی معاملات سے میرے دماغ کو کوئی لگاؤ نہیں ہے - گھر پر تین بدمزاج بہنوں کے ساتھ مجھے زندگی بسر کرنی پڑتی ہے - جو بالکل مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتیں بلکہ اپنا زیادہ وقت سیر و تفریح میں گذارتی ہیں - ایسی سیر و تفریح جسے میں شرمناک سمجھتا ہو تمھیں معلوم ہے اُنھوں نے میرا کیا نام رکھا ہے؟

تارا بائی - (نرمی سے) بھولے کنور جی!؟

راجکمار - نہیں جی - وہ مجھے بزدل رنبیر کہتی ہیں ———— بیشک میں اس کا اقبال کرتا ہوں کہ میں بزدل ہوں اور بے یار و مددگار - دنیا میں مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکتا - میں ایک قوی بازو کا سہارا چاہتا ہوں، ایک منچلے ساتھی کی مجھے تلاش ہے جس پر میں ناز کر سکوں - ایک ایسے مونس و غمخوار کی مجھے ضرورت ہے جو میری ضروریات زندگی کو اپنی قوتِ بازو سے پورا کر سکے - اور مجھے حکمرانی یا سیاست کے بھیانک مسائل کی طرف مطلق غور نہ کرنے دے ————

———— پیاری تارا - میں نہایت ہی حقیر اور ادنیٰ ہستی ہوں لیکن پھر بھی تمھاری پرستش کرنے کی جرأت

ضرور رکھتا ہوں۔ مصوری اور نقاشی کی طرف میرا فطری رجحان ہے مجھے بہترین کھانے پکانے آتے ہیں میں کھانے کے بعد دلچسپ قصے سنا سکتا ہوں۔ اور چاہے تمھیں اس کا یقین آئے یا نہ آئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں ملازمین سے نہایت اچھی طرح کام لے سکتا ہوں اور امور خانہ داری کو بہت عمدگی سے انجام دے سکتا ہوں بال بچوں سے بھی مجھے ایک قدرتی اُنس ہے اس لئے کہ وہ بڑے آدمیوں کی طرح ٹھوس باتیں کر کے میرا دماغ پراگندہ نہیں کرتے ——— بہر حال میں ہر لحاظ سے خانگی زندگی بسر کرانے کے لئے (بسر کرنے کے لئے نہیں) بہترین شریک زندگی ثابت ہو سکتا ہوں اور اس سلسلے میں اگر میرا شریک زندگی مجھ پر کسی قسم کی سختی بھی روا رکھے تو اُسے ہنسی خوشی برداشت کر سکتا ہوں۔ بلکہ غالباً اس کی مجھے تمنا ہے کہ کوئی مجھے جھڑکے میں اُسے سنوں، کوئی مجھے بڑا بھلا کہے اور میں اس کی منت کروں اس لئے کہ اس حال میں اس فکر سے تو میں آزاد ہونگا کہ اب مجھے کیا جواب لکھنا چاہئے اور فلاں ملکی مسئلے کو حل کرنے کے لئے کونسی سیاسی چال چلنی چاہئے ؟

——— پیاری تارا! کیا تم ایسے سیدھے سادھے مسکین شوہر کے ساتھ نباہ کر سکتی ہو جسے سوائے تمھاری رضاجوئی کے دنیا میں اور کسی بات کا خیال ہی نہ ہو۔ جو سوائے اپنے گھر کے بیرونی زندگی سے سروکار ہی نہ رکھتا ہو۔ جسے عام شوہروں کی طرح سیاست یا حکومت کا مطلق خبط نہ ہو اور جس کے ساتھ اس دنیا کے بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے تمھیں آزادانہ طور پر اپنے کمالات کی نمائش کرنے کا حق حاصل ہو ——— کیا میں تم سے اس قسم کی توقع رکھوں ؟

تارا بائی۔ (ہارمونیم سے اٹھکر راجکمار کے قریب آتے ہوئے) میرے بھولے راجکمار! تم دیکھتے ہو کہ میں ایک ترش مزاج، سخت گیر اور آزاد عورت ہوں، میں جسم وجثہ میں تم سے کہیں زیادہ قوی ہوں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ایسے نازک اور ملائم جسم وجثہ کے انسان کو مجھ میں وہ کونسا حسن نظر آتا ہے جس سے محبت کی جا سکے ——— ازدواجی زندگی میں اس کا ہر وقت امکان ہے کہ مجھ سے تمھیں کوئی جسمانی اذیت، یا کوئی اعصابی نقصان پہونچ جائے۔ بلکہ شاید ——— ہاں مجھے صاف صاف اقبال کرنا چاہئے —— میں ذرا بدمزاج ہوں اور جھلّی اوقات بہت ہی بھڑک اٹھتی ہوں اس لئے ممکن ہے، بلکہ اغلب ہے کہ میں غصہ کی حالت میں کبھی تمھیں مار بھی بیٹھوں۔

راجکمار۔ ہاں۔ ضرور، ضرور۔ تم اس طرح مجھ پر نہ ہنسو۔ یقیناً یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے لیکن بچپن سے میرے دل میں ایک ہی تمنا پرورش پاتی رہی ہے اور وہ یہ کہ کسی شاندار، قوی ہیکل اور خوبصورت عورت کے ہاتھ سے خوب اچھی طرح پٹوں۔

تارا بائی۔ (متاثر ہو کر) رنبیر ——— میرے خیال میں اسی نام سے رانی صاحبہ تمھیں پکارتی ہیں ؟

راجکمار - نہیں وہ رنو کہتی ہیں!

تارابائی - ہاں پیارے رنو مجھے بھی اپنے دل کی کچھ باتیں تم سے کہنی ہیں، میں بھی محبت کا ایک راگ الاپنا چاہتی ہوں - سنوگے؟

راجکمار - کہو میری پیاری تارا!

تارابائی - ہاں میں بھی عمر بھر ایک خواب دیکھتی رہی ہوں اور اس خواب نے محنت و مشقت کی اُن بھاری اور طویل گھڑیوں کو روشن بنائے رکھا ہے جب میں مسلسل آٹھ آٹھ نو نو گھنٹے گانے کی مشق کیا کرتی تھی - اس خواب نے ہندوستان اور بیرونی ممالک میں ہر اسٹیج پر جہاں ہزارہا انسانوں کے مجمع نے میرے کمال کو سراہا ہے، میرے دماغ پر تسلط رکھا ہے - وہ خواب یہ ہے کہ کسی نازک مرد کا ایک ننھا سا کمزور دل میرے دل کے مقابل دھڑک رہا ہو، ایک ملائم آواز مجھے گھر پر خوش آمدید کہہ رہی ہو، باریک باریک، ریشم جیسی ملائم مونچھیں میری تھکی ہوئی انگلیوں کو بوسہ دے رہی ہوں اس حال میں کہ میں کئی گھنٹے اسٹیج پر کام کرنے کے بعد تھک کر گھر لوٹی ہوں - کوئی بالکل فرماں بردار، قطعی لاچار، مطلق بے سہارا —— میرا اور صرف میرا پرستار شوہر مجھے میسر آجائے جس کی صرف میں کفیل ہوں اور کسی دوسرے سے اُسے کوئی علاقہ نہ ہو۔

راجکمار - لیکن تمھیں کسی دن غصہ آجائیگا، ناقابل ضبط اور بے پناہ غصہ، اس حالت میں تم اُس شخص کو پامال کر دوگی جس سے تمھیں محبت اور پرستاری کا دعویٰ ہوگا - وہ تمھارے پیروں سے لپٹ کر عفوِ تقصیر چاہیگا اور تم اُسے کچل دوگی ——!

تارابائی - بیشک یہ بالکل ممکن ہے۔ تم اس بات کا اقبال کرنے کے لئے مجھے کیوں مجبور کرتے ہو۔ شاید میں اسے مارتے مارتے نیم دم کر دوں - اُسکی ہڈی ہڈی توڑ دوں اور پھر ممکن ہے کہ مجھے اپنے کئے پر پشیمانی ہو اور اپنے گرم گرم بوسوں سے اُس کے جسم میں زندگی کی تازہ روح پھونک دوں -

راجکمار - (فیصلہ کن طور پر) مجھے یہ سب بدل و جان منظور ہے - میں اس خدمت کے لئے خود کو پیش کرتا ہوں -

تارابائی - تم میں ہمت ہے کہ ایسی خطرناک زندگی کو برداشت کر سکو؟ پھر سوچ لو!

راجکمار - سوچ لیا - میں اس زندگی کو خوش آمدید کہتا ہوں - مجھے تم سے محبت ہے میں مطلق تمھارا ہو چکا ہوں اب مجھے اپنی آغوش سے وابستہ ہو جانے دو -

تارابائی - (اپنی گرفت آغوش میں دباتے ہوئے) اب کوئی طاقت تمھیں اس آغوش سے جدا نہیں کر سکتی -

راجکمار - کوئی نہیں - اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں -

تارابائی - اب تو تمھیں کوئی دماغی عارضہ نہیں -

راجکمار- بالکل نہیں-
تارا بائی- آدمیوں سے تو نہیں ڈروگے-
راجکمار- ہرگز نہیں-
تارا بائی- باہر چلوگے-
راجکمار- اسی وقت- (دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سرگوشیاں کرتے ہوئے کمرے کو چھوڑ دیتے ہیں)

(برنارڈشا)

طالب باغپتی

کاجل — سرمہ — چورن — منجن

اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کرکے اپنی رائے ان کے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہے دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو:- سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لئے بہت مفید ہوا ایک شیشی اور بھیج دیجئے-

کاجل- آشوب سرخی، ضعف بصارت کے لئے از بس مفید ہے ایک ڈبیہ جو ایک شخص کیلئے سال بھر کو کافی ہے قیمت عہ

سرمہ- یہ بیش بہا سرمہ چالیس دن میں تیار ہوتا ہے اس میں نہ ممیرہ ہے نہ کوئی معمولی سرمہ جن کو جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیس کر تیار کیا جاتا ہے اس کے فوائد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جالا، دھند، موتیا بند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بارہا آزمایا ہوا ہے قیمت فی پڑیہ عہ علاوہ محصول

چورن- یہ چورن اکسیری چیز ہے جس کا گھر میں رہنا ضروری ہے- پیٹ کا درد، قبض، نفخ، ریاح کا پیدا ہونا- سوء ہضم، دستوں کا آنا سب یک لخت اس کے استعمال سے جاتا رہتا ہے کیسا ہی شدید درد پیٹ میں ہو ایک چٹکی کھا لینے سے جاتا رہتا ہے قیمت فی ڈبہ آٹھ تولہ عہ علاوہ محصول-

منجن- اس کی ادنی خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ ایک روپیہ علاوہ محصول

نوٹ:- یہ سب چیزیں منگانے والوں کو محصول ڈاک معاف-

ملنے کا پتہ

م بیگم ذریعہ رسالہ نگار لکھنؤ

علم و عقل کی گمراہیاں

روحانیات پر ایک تنقیدی نظر

(مالہ وما علیہ)

اس میں کلام نہیں کہ علم انسانی جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے، زندگی کے اسرار اتنے ہی زیادہ عمیق ہوتے جاتے ہیں اور طبیعیات کی موجودہ موشگافیاں بجائے حقیقت کو واضح کرنے کے اور زیادہ اس کو ناقابل فہم بناتی جارہی ہیں۔ کچھ زمانہ قبل سالمات (Atoms) کی نسبت سائنس نے ہم کو بتایا تھا کہ وہ غیر فانی و ناقابل تجزیہ ہیں، مگر اب ماہرین علم الکیمیا کہتے ہیں کہ وہ فانی ہیں اور اُن کا تجزیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اب سے پہلے یہ باور کیا جاتا تھا کہ ہائڈروجن کا سالمہ سب سے چھوٹا سالمہ ہے، مگر اب بتایا جاتا ہے کہ اس کے اندر بھی خدا جانے اور کتنے طاقتور ذرات موجود ہیں جن کا نام اُنھوں نے برقپارہ (Electron) رکھا ہے۔ چنانچہ پارہ کے ایک سالمہ کے اندر ایک لاکھ برقپاروں کا وجود بتایا جاتا ہے۔

سر آئزک نیوٹن کا قول ہے کہ سالمات کا فصل ایک دوسرے سے بہ لحاظ ان کی جسامت کے اتنا ہی ہے جتنا ثوابت میں بہ لحاظ اُن کے حجم کے پایا جاتا ہے، مگر پھر بھی یہ حقیر ذرات اتنی زبردست طاقت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ (بقول سر ولیم کروکس) صرف ایک گرام برقپارے، برطانیہ کے سارے بیڑے کو چشم زدن میں سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی پر اٹھا کر رکھ دے سکتے ہیں۔ الغرض انسان کی عقلی جستجو نے اس وقت ایک عجیب قسم کا ہنگامہ پیدا کر رکھا ہے اور ہر شخص بہ اندازۂ ظرف اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ بعض تو ایسے ہیں جو ان انکشافات کو آگے بڑھنے کا زینہ سمجھ کر شکوک و اوہام سے گزر جاتے ہیں اور بعض جن کے دماغ متحمل نہیں ہو سکتے ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ سب لغو و مہمل ہے اور کائنات کے کاروبار پر غور کرنا حماقت۔ اول الذکر جماعت وہ ہے جو اس وقت کی تمام علمی ترقیوں کی علمبردار ہے اور دوسری وہ ہے جسنے تھک کر "روح و روحانیت" کی آڑ پکڑ لی ہے اور ساری دنیا کو "قبرستان" سمجھ کر بھیانک نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ اس جماعت میں الیور لاج اور کنین ڈائل کے علاوہ ایک اور مشہور ہستی ولیم کروکس کی بھی ہے اور اُنھوں نے جو تجربات اپنی علمی روحانیت کے بیان کئے ہیں وہ سننے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں:—

(۱) ایک بڑا پنجرہ بناکر اس میں ایک اکارڈین (باجہ) رکھدیا گیا اور ایک شخص مسٹر ہوم نے جو ولیم کروکس کا معمول یا وسیط تھا اپنے پاؤں سے اس باجہ کو پکڑ لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باجہ از خود بجنے لگا اور مختلف قسم کی راگنیاں اس سے پیدا ہوئیں۔

(۲) ۳۶ انچ لمبا - ۹½ انچ چوڑا اور ایک انچ موٹا لکڑی کا تختہ لیا گیا۔ جس کا سرا میز کے کنارہ پر اس طرح رکھدیا گیا تھا کہ اگر ذرا بھی دباؤ تختہ پر پڑے تو وہ اوپر کو اُٹھ جائے۔ تختہ کا دوسرا سرا ایک کمانیدار ترازو پر لٹکا ہوا تھا جسے ایک تپائی سے لٹکا دیا گیا تھا۔ تمام حاضرین کی نظریں مسٹر ہوم کی طرف جمی ہوئی تھیں اُنھوں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے آہستگی کے ساتھ تختہ کے اس سرے پر رکھے جو میز پر ٹھہرا ہوا تھا اس کے بعد بہت جلد وہ تختہ اوپر نیچے ہونے لگا اور ترازو کی سوئی سے وزن کا کم زیادہ ہونا معلوم ہونے لگا۔ ایک مرتبہ سوئی نے ۹ پونڈ ظاہر کئے۔ اس طرح گویا ۶ پونڈ کا دباؤ پڑا کیونکہ تختہ کا وزن کل ۳ پونڈ تھا۔ اس کے بعد جہاں مسٹر ہوم نے تختہ پر اپنے ہاتھ کی انگلیاں رکھی تھیں وہاں ایک آدمی کھڑا ہو گیا اُس شخص نے بہت کچھ جھٹکے دیئے مگر پھر بھی دو پونڈ سے زیادہ وزن نہ بڑھا۔

دوسری مرتبہ ایک تختہ لیا گیا جس کا ایک سرا کمانی دار ترازو پر رکھدیا گیا اور دوسرا سرا ایک چھری کی دھار پر بھرا اسی جگہ پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ رکھدیا گیا۔ اور اس کے اندر ایک کٹوری تانبہ کی ڈالدی گئی جس کی پیندی میں باریک سوراخ تھا۔ اس کٹوری کی پیندی پانی میں ڈیڑھ انچ کے قریب ڈوبی ہوئی تھی۔ دوسرے سرے پر ترازو سے ملا ہوا ایک ثقل پیما آلہ نصب کیا گیا۔ اس کے بعد جب مسٹر ہوم نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں کٹوری کے پانی میں ڈالیں تو معلوم ہوا کہ پانچ ہزار گرین کا دباؤ ترازو پر پڑ رہا تھا حالانکہ مسٹر ہوم بالکل معلق اُٹھائے گئے تھے اور وہ کوئی طاقت صرف نہ کر سکتے تھے۔

(۳) ایک خاتون مس فاکس جب کسی چیز پر اپنا ہاتھ رکھ دیتی تھیں تو معاً "تھپ تھپ" کی آوازیں پیدا ہونے لگتی تھیں۔ بعض اوقات یہ آوازیں اس قدر بلند ہوتی تھیں کہ دور دور تک سنائی دیتی تھیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ان کے ہاتھ پاؤں پکڑ لئے گئے یا کسی جھولے میں بیٹھ گئیں لیکن آوازیں برابر آتی رہیں۔

(۴) اس قسم کا نہایت عجیب واقعہ ایک سوسائٹی کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں درج کیا ہے کہ پہلے میز نے مختلف صورتوں میں کئی بار نقل و حرکت کی اس کے بعد کمیٹی کے گیارہ ممبر اس طرح بیٹھ گئے کہ ان کی کرسیوں کی پشت میز کی طرف تھی۔ اور کرسیاں میز سے تقریباً نو انچ کے فاصلہ پر تھیں انھوں نے اپنے ہاتھ میز کے اوپر بغیر اُسے چھوئے ہوئے پھیلا دئے۔ اس کے ایک منٹ بعد ہی میز نے چار مرتبہ حرکت کی۔ ایک مرتبہ ایک جانب سے تقریباً پانچ انچ اٹھی اور دوسری مرتبہ دوسری طرف سے تقریباً بارہ انچ بلند ہوئی پھر اسی طرح

علی الترتیب چار اور چھ انچ اٹھی۔ یہی تجربہ دوسری مرتبہ اس طرح کیا گیا کہ کرسیاں میز سے اور زیادہ فاصلہ پر ہٹالی گئیں۔ اور اس مرتبہ ارکان کمیٹی اپنے ہاتھ کرسیوں کی پشت پر رکھے ——————— اس مرتبہ بھی میز ——————— مختلف سمتوں سے اُٹھی اور گری۔

(۵) میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ کرسی بغیر کسی واسطہ کے فرش زمین سے کئی انچ بلند تھی۔ یہی تجربہ کئی بار سخت شرائط کے ماتحت کیا گیا اور عمل ہمیشہ صحیح اترا۔ ایک مرتبہ دو بچے کرسیوں پر بیٹھے اور ان کی کرسیاں زمین سے بلند ہو کر ہوا میں معلق ہو گئیں۔ ڈاکٹر والیس مس نکول کی نسبت لکھتے ہیں کہ:۔ ہم ایک دوست کے گھر میں میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے چھت میں ایک بلوریں جھاڑ لٹکا ہوا تھا میرے ایک اجنبی دوست مس نکول کے قریب بیٹھے تھے اور اُنھوں نے خاتون کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ دوسرا شخص اپنے ہاتھ میں دیا سلائی کی ڈبیہ لئے تیار بیٹھا تھا کہ ضرورت ہو تو فوراً روشنی کرے پہلے مس نکول کی کرسی اس کے نیچے سے نکال لی گئی جس کے باعث اُسے مجبوراً کھڑا ہونا پڑا۔ اس وقت بھی میرے دوست اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ دو تین منٹ کے بعد مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے جھاڑ کے آویزے آپس میں رگڑ کھا رہے ہوں۔ اسی وقت فوراً میرے دوست نے آواز دی کہ مس نکول میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔ فوراً دیا سلائی روشن کی گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مس نکول اپنی کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور وہ کرسی میز پر رکھی ہوئی ہے اور اس کا سر بلوریں جھاڑ سے مس ہو رہا ہے۔ واضح ہو کہ مس موصوفہ کا ہاتھوں سے نکل جانا اور پھر کرسی کا میز پر پہونچ جانا میرے نزدیک سخت ناممکن تھا۔"

(۶) میں نے تین مرتبہ مسٹر ہوم کو کمرہ کے فرش سے بلند ہو کر ہوا میں معلق ہوتے دیکھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ دوسری مرتبہ وہ اپنی کرسی پر دوزانوں بیٹھے تھے۔ تیسری مرتبہ وہ کھڑے ہوئے تھے۔ تینوں مرتبہ مجھے معلق ہونیکا واقعہ دیکھنے کا پورا پورا موقعہ ملا۔ ایک مرتبہ مسٹر ہوم میرے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ وہ دفعتاً بول اُٹھے :۔ "خاموش رہو میں اوپر جا رہا ہوں۔" اس کے بعد ان کا پاؤں میرے شانہ سے لگا۔ لہذا میں نے محسوس کیا کہ کوئی مخمل جیسی چیز میرے رخسار سے مس کر رہی ہے۔ میں نے جو نظر اُٹھا کر اوپر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسٹر ہوم اپنے ساتھ آرام کرسی بھی لے گئے۔ اس کے بعد وہ کمرہ میں چاروں طرف پھرتے پھرے لارڈ لنڈسے نے یہ بھی دیکھا تھا کہ مسٹر ہوم ایک مرتبہ ہوا میں اڑے اور کھڑکی سے باہر نکل گئے' پھر دوسری کھڑکی سے جو فرش زمین سے پچاسی فٹ بلند تھی داخل ہو گئے۔

(۷) حاضرات کے سلسلہ میں نورانی ہاتھوں کا ظاہر ہونا بھی دیکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے ان ہاتھوں کو

پکڑا بھی مگر وہ لطیف ذرات نور میں تحلیل ہو گئے اور پکڑنے والے کی مٹھی خالی رہ گئی۔ بعض اوقات ان تنویری ہاتھوں کی تشکیل مکمل نہیں ہوتی، اور کبھی کبھی لطیف نورانی ابر ہاتھ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور پھول توڑ کر سب کے سامنے پیش کرتا ہے ایسے ہاتھوں کو باجہ بجاتے بھی دیکھا گیا ہے۔

(۸) ایک صاحب کاغذ اور پنسل کبھی میز پر رکھ دیتے تھے کبھی گرجا کے زینہ پر یا قبروں پر اور چند قدم پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ لیکن کاغذ پر نظر رہتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کاغذ اٹھایا جاتا تھا تو اس پر ہمیشہ کوئی بامعنی پیغام تحریر ملتا تھا یہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

سب سے پہلا تجربہ اس طرح کیا گیا کہ کاغذ اور پنسل ایک صندوقچہ میں رکھ کر بند کر دیا گیا۔ اور قفل کی کنجی انھیں کے پاس رہی۔ اس بات کی خبر کسی کو نہیں تھی کہ وہ صاحب کوئی تجربہ اس قسم کا کر رہے ہیں بارہ دن کے بعد سطح کاغذ پر کچھ نشانات معلوم ہوئے۔ اس کے بعد صندوقچہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا اور کاغذ کو دیکھتے رہے آخر کار اس کاغذ پر بلا استعمال پنسل خود بخود تحریر پیدا ہو گئی"۔

ایک اور صاحب ظاہر کرتے ہیں کہ:۔

میں نے کاغذ کا ایک ٹکڑا اپنے سفری صندوق میں بند کر کے اوپر سے اس کا تسمہ باندھ دیا۔ اور پھر اسے اپنی میز کی دراز میں رکھ دیا۔ اس دراز میں میرے نہایت پرائیویٹ کاغذات رہتے تھے۔ اس لئے میں اسکی کنجی کبھی اپنے پاس سے علیحدہ نہیں کرتا تھا دوران تجربہ میں اس دراز پر میری نظر میں ہمیشہ جمی رہیں۔ میں نے اس کاغذ کو چوبیس گھنٹہ تک یونہی رہنے دیا اس کے بعد جب اسے نکالا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر نہایت صاف اور واضح تحریر موجود ہے۔ میز کے وسط میں کاغذ کے چند تختے رکھ دیئے گئے اور ایک پنسل بھی رکھ دی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پنسل خود بخود اٹھی اور نوک پر سیدھی ہو گئی۔ چند بار اچک کر کاغذوں کی طرف بڑھی مگر گر پڑی۔ پنسل نے دوبارہ یہی عمل کیا۔ پھر گر پڑی۔ تیسری مرتبہ پھر یہی عمل کیا مگر اس مرتبہ بھی کوئی عمدہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ الغرض پنسل نے تین مرتبہ ناکامی کے ساتھ اقدام کیا۔ اس کے بعد لکڑی کی سلاخ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو میز پر پنسل کے قریب ہی پڑا ہوا تھا خود بخود اٹھا اور پنسل کی طرف چلا یہ لکڑی میز کی سطح سے کئی انچ ابھر گئی تھی۔ اس کے بعد پنسل پھر اٹھی اور لکڑی کے ٹکڑے کی طرف چلی۔ پھر دونوں نے ملکر کاغذ پر لکھنے کی کوشش کی مگر پھر دونوں گر پڑیں۔ پھر انھوں نے اور مشترکہ اقدام کیا۔ مگر پھر ناکامی ہوئی۔ تیسری کوشش کے بعد سلاخ جس نے کوشش چھوڑ دی اور اچھلتی کودتی اپنے مقام سابق پر آگئی پنسل بھی کاغذ کے تختہ پر گر پڑی۔ اس کے بعد حروف تہجی کے ذریعہ سے ہم کو ارواح کی طرف سے یہ پیغام ارسال کیا گیا کہ:۔ "ہم نے آپ کے کہنے کے مطابق کوشش کی مگر اس وقت ہماری تمام طاقت صرف ہو چکی ہے"۔

ایک صاحب اسی قسم کے ارواحی پیغام نہایت خوبی سے حاصل کر سکتے تھے۔ وہ اپنی نظر سلیٹوں پر ایک سکنڈ کے لئے بھی علیحدہ نہیں کرتے تھے۔ مگر جب عمل ہو چکتا تھا تو سلیٹوں کی اندرونی سطح پر تحریر پائی جاتی تھی ایک مشہور و معروف مصنف جو اس موضوع پر اکثر مضامین لکھا کرتے ہیں، ایک حاضرات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔ "دو نئی سلیٹیں خریدیں۔ اور ان کے چوکھٹوں میں دونو طرف سوراخ کرائے۔ پھر دونوں سلیٹوں کو آپس میں باندھ دیا۔ اور ڈوروں کی گرہ پر لاکھ لگا کر مہریں ثبت کر دیں دونوں سلیٹیں نئی اور صاف تھیں جو نہ وسیط کے چارج میں کبھی دیگئیں۔ اور نہ کبھی میری نظروں سے دور ہوئیں۔ سہ پہر کا وقت تھا، کمرہ میں کافی روشنی موجود تھی کہ پنسل نے سلیٹ پر لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد میں نے سلیٹوں کے ڈورے کاٹ دیئے دیکھا کہ ایک سلیٹ تحریر سے پوری بھری ہوئی ہے جس پر میرے ایک مرحوم دوست کے دستخط موجود ہیں۔ کاغذ کا ٹکڑا لیکر اس پر نو آدمیوں نے اپنے دستخط کر دیئے۔ بعد ازاں کاغذ کو تہ کر کے بکس میں ایک ایسے شخص کے ذریعہ سے رکھوا دیا گیا جو روحانیات کا قائل نہیں تھا۔ بعد ازاں بکس کو سر بمہر کر دیا گیا۔ اس کے بعد وسیط پر جو میز سے دور بیٹھا ہوا تھا محویت طاری ہوئی اور ایک روح نے ـــــ آکر اپنا نام "سیموئیل" بتایا اور دریافت کیا کہ اہل حاضرات کیا لکھوانا چاہتے ہیں کہا گیا کہ "لوئی کے نام پیغام محبت" لکھو یہ سنکر روح نے کہا کہ "بہتر ہے" اور فوراً ہی یہ کہا کہ بکس کھولکر دیکھئے۔ الغرض بکس کھولا گیا اور کاغذ نکال کر دیکھا تو واقعی اس پر وہ پیام درج تھا۔

(۹) ایک مرتبہ ہم کھانا کھا رہے تھے کہ میز کے ایک چھوٹے سوراخ میں سے ایک خوبصورت ہاتھ نکلا اور اس نے مجھے ایک پھول دیا۔ ہاتھ اسی طرح تین مرتبہ ظاہر ہو کر غائب ہو گیا۔ وہ بالکل ایسا ہی اصلی تھا جیسا کہ خود میرا ہاتھ۔ اسی طرح مختلف احباب نے ایک ہاتھ دیکھا کہ وہ اچانک نمودار ہو کر باجہ بجانے لگا۔ اسی طرح مختلف ہاتھ عبارتیں لکھتے اور دیگر کام کرتے دیکھے گئے ہیں۔ مسٹر ای ویک کوک نے کئی مرتبہ ایسے ہاتھوں کو پکڑا اور محسوس کیا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلے ایک دھندلا سا نورانی ابر نمودار ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ منجمد ہو کر ہاتھ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اس کی کلائی پھر بھی ابر کی صورت بنی رہتی ہے۔ یہ ہاتھ مس کرنے پر کبھی سرد اور کبھی گرم محسوس ہوتا ہے لیکن جب کبھی کوئی شخص ان ہاتھوں کو پکڑ لیتا ہے تو وہ دھوئیں کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔

ایک دن شام کو مسٹر ہوم میرے مکان پر بیٹھے ہوئے حاضرات کر رہے تھے کہ دفعتاً ایک کھڑکی کے پردے جو سر سے آٹھ فٹ بلند تھے ہلنے لگے۔ اور ایک انسانی صورت سایہ کی مانند جو نیم منور تھی کھڑکی کے برابر کھڑی نظر آئی جو پردوں کو اپنے ہاتھوں سے ادھر ادھر ہلا رہی تھی۔ جب ہم اس شبیہ کی طرف غور سے دیکھنے لگے تو وہ صورت نظروں سے غائب ہو گئی اور پردے بھی ہلنا بند ہو گئے"۔ ایک مرتبہ کمرہ کے ایک گوشہ سے ایک شکل برآمد ہوئی جس نے باجہ اٹھایا اور باجہ بجاتی ہوئی کمرہ میں ادھر ادھر پھرنے لگی جب

وہ صورت ایک خاتون کے پاس پہونچی جو اوروں سے کسی قدر الگ بیٹھی ہوئی تھیں تو خاتون مذکور کے منھ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ صورت غائب ہوگئی۔

(۱۰) مسٹر جان کارسن، تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب وہ لندن میں تھے تو ایک جلسۂ حاضرات میں شریک ہوئے۔ وہاں اُنھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کامنی کے تازہ پھولوں کا ایک گلدستہ منگایا جائے چنانچہ وسیط نے اُن کی یہ خواہش فوراً پوری کردی۔ مسٹر مذکور کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ پھول محض آزمائش کے طور پر طلب کئے تھے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ذرا سا بھی دباؤ پڑنے سے یہ نازک پھول بھورے پڑجاتے ہیں اس لئے اگر ان پھولوں کو کوئی شخص دامن میں بھی چھپا کر رکھے تو پھولوں کے رنگ روپ میں فوراً خرابی آجائے گی۔ مسٹر کارسن کہتے ہیں کہ یہ پھول مجھے ایک بند کمرہ کے اندر لاکر دیئے گئے۔ اور میں نے خوب غور کرکے دیکھا تو پھولوں کی ہر پنکھڑی اپنی اصلی حالت پر تھی ——

مشہور جرمن خاتون فراؤ روتھے ایک ایسی وسیط تھی جو پھول وغیرہ فراہم کردیا کرتی تھی، چنانچہ ایک گواہ کا بیان ہے کہ ایک سنترہ خود بخود ہوا میں تیرتا ہوا خاتون کے ہاتھ میں آیا جو اس نے گواہ کو دیدیا ایک اور گواہ نے بیان کیا کہ حاضرات کے جلسہ میں اُن کی پوری طرح جامہ تلاشی لے لی گئی تھی اُنھوں نے اپنے ہاتھ میز پر رکھدئے۔ تھوڑی دیر بعد نہایت تازہ اور شگفتہ پھول جن پر شبنم کے قطرے موجود تھے۔ رفتہ رفتہ اوپر سے برسنے لگے۔ ایک مرتبہ اُن کے ہاتھوں پر چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ نمودار ہوئے جو رفتہ رفتہ بڑھے۔ رنگ بدلا اور خود بخود شگفتہ پھول بن گئے جن پر شبنم کے قطرے موجود تھے۔ وسیط اپنے یہ کمالات ہر جگہ اور ہر وقت دکھا سکتی تھی۔ بلکہ بعض اوقات جب وہ کھانا کھانے بیٹھتی اور روٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتی تو اس کے ہاتھ میں تازہ گلدستہ آجاتا۔ اور میز پر گلاب اور نرگس وشبو کے پھولوں کا ڈھیر لگ جاتا۔

(۱۱) ڈاکٹر ذولنر نے ستلی کا ایک ٹکڑا لیکر اس کو لاکھ سے چسپاں کرکے اپنے گلے میں ڈال لیا۔ دفتی پر لگے ہوئے سرے اُن کے سینہ پر تھے۔ دن کا وقت تھا۔ وسیط کا ستلی تک ہاتھ نہ پہونچنے دیا گیا۔ جب کچھ دیر بعد وہ ستلی گلے سے نکالی گئی تو اس میں چار گرہیں بندھی ہوئی تھیں اور یہ بغیر کھلے ہوئے سروں کے ناممکن تھا۔ دوسرا تجربہ دن ہی کے وقت یہ کیا گیا کہ دفتی کے بکسوں میں کچھ سکے رکھ کر اُن پر کاغذ منڈھ دیا گیا اور مہریں لگا دی گئیں۔ بعد ازاں ان بکسوں کو میز پر رکھا گیا۔ اور ایک سلیٹ میز کے تختہ کے نیچے رکھی گئی۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا گیا تو تمام سکے سلیٹ پر موجود تھے اور بکس خالی پائے گئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی میز خود بخود غائب ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر ذولنر کیا دیکھتے ہیں

کہ وہ میز ہوا میں معلق ادہر ادُہر دوڑ رہی ہے۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر جارج وائلڈ نے تجربہ کیا کہ مسٹر ہسک وسیط کی حاضرات میں ایک میز کے گرد چند آدمی حلقہ جماکر بیٹھے۔ اس طرح کہ ایک شخص کا ہاتھ دوسرے نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ میز پر متعدد آہنی چوڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ ہوا کہ ایک ایک چوڑی ہر شخص کے ہاتھ میں پڑی ہوئی نظر آئی

یہ ہیں وہ اعمال جن کو آج کل یوروپ روح وروحانیات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے اور انھیں شعبدوں کی بنا پر مابعد الطبیعیات کی گتھیاں سلجھائی جارہی ہیں۔

اس سلسلہ میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس میں کوئی حقیقت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو ان واقعات کو عالم ارواح سے متعلق مان کر ہم کو عالم مابعد الموت کا کیا تخیل قائم کرنا پڑے گا مجھے ان واقعات کی صحت پر بہت شک ہے یعنی میں یہ ماننے کے لئے طیار نہیں کہ جو کچھ معمولوں یا وسیطوں کے ذریعہ سے دکھایا جاتا ہے وہ شعبدہ یا مکروفریب نہیں ہوتا بلکہ حقیقت ہوتی ہے۔ اس شک کا ایک سبب تو یہ ہے کہ بالکل اسی قسم کی بہت سی نظر بندیاں مشرق میں بھی رائج ہیں، لیکن نہ کبھی ان کو "روحانیات" سے متعلق سمجھا گیا اور نہ خود ان لوگوں نے کبھی اس قسم کا دعویٰ کیا۔ مشرق میں اس فن کا نام "علم نیرنجات" تھا اور یہاں کے قدیم لٹریچر میں اس فن کے مظاہرے کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ ہرچند ہم کو آگاہی نہیں کہ اس علم کے کیا اصول تھے لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ بعض شعبدے تو ہاتھ کی صفائی ومشق سے متعلق تھے اور بعض کا تعلق کیمیاوی تفاعل سے تھا۔ پھر جبکہ یوروپ کے یہ تمام مظاہرے بھی تقریباً وہی ہیں جن کی یہاں صرف شعبدہ سے تعبیر کی جاتی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کو بھی ویسا ہی نہ سمجھیں اور محض اس لئے کہ انھوں نے بہت سی علمی رنگ کی اصطلاحیں اس کے متعلق گھڑلی ہیں، اُن سے مرعوب ہوکر ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

اس وقت مغرب میں ایک اور چیز رواج پارہی ہے جس کا نام مسمریزم ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اس کا تعلق دماغی قوت اور خیال کی مرکزیت سے ضرور ہے، لیکن روح وروحانیت سے اس کو بھی کوئی واسطہ نہیں۔ بلکہ اگر زیادہ غائر نگاہ سے کام لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا فریب ہے جو دماغ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور دماغ ہی کو متاثر کرتا ہے۔ میں نے خود امریکہ کے ایک ماہر مسمریزم کو دیکھا جو دماغ انسانی پر نہایت قوی اثر ڈالتا تھا۔ مثلاً اگر وہ کسی سے کہدیتا کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں تو وہ ہنسنا شروع کردیتا اور کوئی قوت اُسے نہ روک سکتی جب تک کہ عامل خود نہ اُسے باز رکھتا، میرے سامنے ایک صاحب سے اس نے کہا کہ آپ تو مجھے پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سنتے ہی ان کی حالت بالکل دیوانوں کی سی ہوگئی اور

لگے جیب و دامن کی دھجیاں اُڑانے۔ اس لئے اگر مکر و فریب یا نظر بندی اور ہاتھ کی صفائی نہ ہو تو بھی روحانیات و حاضرات کے ان مظاہروں میں بڑا دخل اس قوت مقناطیسی کا ہے جس کا دوسرا نام مسمریزم یا ہپناٹزم ہے۔ کیونکہ اس قوت کے ذریعہ سے بہ آسانی ایک شخص کو بہت سی خلاف حقیقت باتوں کا یقین دلایا جا سکتا ہے اور دوسروں کو متاثر کر کے ان کے خیال و نگاہ دونوں کو گمراہ کیا جا سکتا ہے۔

اچھا اب آیئے دوسری صورت فرض کیجئے کہ یہ جو کچھ حاضرات وغیرہ کے ذریعہ سے دکھایا جاتا ہے یہ سب حقیقت و واقعیت ہے اور فی الاصل خود روحیں آکر پنسل سے لکھدیتی ہیں، میز کو اوپر اٹھا دیتی ہیں باجہ بجانے لگتی ہیں، پھول برساتی ہیں، تو اصولی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو روحیں اس قسم کے کام کرتی ہیں وہ وہی ہیں جو کسی وقت اجسام انسانی سے تعلق رکھتی تھیں یا کچھ مختلف ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا اور ان کو وہی روحیں ماننا پڑے گا جو جسم انسانی سے واسطہ رکھتی تھیں۔ پھر جب روحیں وہی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جسم سے متعلق رہنے کی حالت میں یہ کام نہ کر سکتی تھیں۔ اور اس کو بھی جانے دیجئے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر روحیں جسم سے جدا ہونے کے بعد یہ قدرت رکھتی ہیں کہ وہ جسم اختیار کر کے سامنے آسکیں، باجہ بجا سکیں، ناچ سکیں تھرک سکیں، تو پھر گفتگو کرنے سے کونسی چیز اُن کو مانع آتی ہے۔

وہ مذاہب جو معاد کے قائل ہیں، یعنی جو یہ بتاتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسانی روحیں ایک وقت معینہ تک عالم برزخ میں رہنے کے بعد عذاب و ثواب کے جھگڑوں میں مبتلا کی جائیں گی، وہ کسی طرح مغرب کی ان روایات وحکایات کو صحیح باور نہیں کر سکتے، کیونکہ اُن کے نظریہ کے مطابق اگر روحیں عالم برزخ میں مبتلائے تکلیف ہیں تو ان کو اتنی آزادی ملنا محال ہے کہ وہ جہاں جاہیں گھومتی پھریں اور اگر مصروف راحت ہیں تو انکا دنیاوی کاروبار میں پھر دلچسپی لینا سمجھ میں نہیں آتا ــــــــ

اب رہ گئے وہ لوگ جو معاد کے قائل نہیں ہیں اور مرنے کے بعد کسی اور عالم کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، سو وہ بدرجۂ اولیٰ ان باتوں کو لغو قرار دیں گے، کیونکہ وہ سرے سے روح کے علیٰحدہ وجود ہی کے قائل نہیں ہیں اور مرنے کے بعد کی کیفیت کو وہ بالکل حالت عدم کی سی کیفیت سمجھتے ہیں۔

اس لئے ظاہر ہے کہ اہل مغرب کی یہ تحقیقات ایک اور تیسری صورت پیدا کرنے والی ہے یعنی یہ کہ مرنے کے بعد نہ حشر و نشر ہے نہ حالت عدم، بلکہ بالکل اسی دنیا کی طرح ایک اور عالم ہے جہاں روحیں اپنی تمام اُنھیں خواہشوں کے ساتھ پائی جاتی ہیں جو دنیائے آب و گل میں اُن سے متعلق تھیں۔ البتہ فرق صرف یہ ہے کہ دنیا میں وہ جسم کی پابند تھیں اور یہاں وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس حقیقت کو باور کرنے کیلئے وہ واقعات کافی ہیں جو عام طور پر حاضرات وغیرہ کے سلسلہ میں بیان کئے جاتے ہیں اور کیا اس کا یقین دلایا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں یہ تمام باتیں محض واہمہ و خیال کی طلسم سازیاں ثابت نہ ہونگی۔

نیاز

سیزر اور کلیوپیٹرا

(مسلسل)

سیزر - (مہربان ہو کر) جاؤ میرے لڑکے، تمھیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ تم اپنے دوستوں کے ساتھ زیادہ محفوظ رہوگے۔ یہاں تم ایک شیر کے منھ میں ہو۔

ٹالمی - (پلٹتے ہوئے) میں شیر سے نہیں ڈرتا لیکن (روفیو کو دیکھ کر) گیدڑ سے ڈرتا ہوں۔

(وہ دالان سے نکل جاتا ہے)

سیزر - (ہنستے ہوئے) بہادر لڑکے!

کلیوپیٹرا - (سیزر کے انصاف کو نگاہِ حسد سے دیکھ کر ٹالمی کو پکارتے ہوئے) چھوٹے بیوقوف تم اُسے بہت چالاک سمجھتے ہو۔

سیزر - برٹینس! بادشاہ کے ساتھ جاؤ اور اُسے پوتھینس کے حوالے کر دو۔

(برٹینس ٹالمی کے ساتھ چلا جاتا ہے)

روفیو - (کلیوپیٹرا کی طرف اشارہ کر کے) اے خوبیوں کا مجسمہ؟ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔؟ —— میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے تمھاری مرضی پر چھوڑ دیا جائے (وہ چلا جاتا ہے)

کلیوپیٹرا - (شگفتہ ہو کر سیزر سے) کیا تم نے مجھے بھی سب کے ساتھ جانے کو کہا؟

سیزر - (کسی قدر محویت سے سرد آہ بھرتے ہوئے ٹالمی کی کرسی کے قریب جاتا ہے اور کلیوپیٹرا تمتماتے ہوئے رخساروں اور بند مٹھیوں کے ساتھ اپنے جواب کا انتظار کرتی ہے) تم جو چاہو کر سکتی ہو۔ کلیوپیٹرا۔

کلیوپیٹرا - تو تم کو میرے ٹھہرنے اور چلے جانے کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔

سیزر - (مسکرا کر) میں تو فی الحقیقت یہی چاہتا ہوں کہ ٹھہرو۔

کلیوپیٹرا - کیا واقعی بہت زیادہ!

سیزر - (سر ہلا کر) بہت بہت، بہت زیادہ

کلیوپیٹرا - تو میں ٹھہرنا مناسب خیال کرتی ہوں کیونکہ یہ بات میری مرضی پر رکھی گئی ہے۔ لیکن میں اُسے یاد رکھنا نہیں چاہتی۔

سیزر - یہ میں خوب سمجھتا ہوں (پکارتے ہوئے) طوطا تیتا۔ (فتاتا جو اب تک بیٹھی تھی اس کی طرف دیکھتی ہے۔ لیکن حرکت نہیں کرتی)

کلیوپیٹرا - (قہقہہ مار کر) اس کا نام طوطا تیتا نہیں ہے بلکہ فتاتا ہے۔ (پکارتے ہوئے) فتاتا! (فتاتا اٹھ کر کلیوپیٹرا کے پاس آتی ہے)

سیزر۔ (نام کو رٹتے ہوئے) تنفتا طیطا، فیتاطوطا
ملکہ اسکندریہ میں اپنا دربار منعقد کرے گی۔ عورتوں
کو بلاؤ کہ اس کے احکام کی تعمیل کے لئے حاضر رہیں
اس کے علاوہ اور جو ضروری انتظامات ہوں اُن کو
انجام دو۔

فتاتا۔ تو کیا میں ملکہ کے محل کی مالکہ ہوں؟

کلیوپیٹرا۔ (تیزی سے) نہیں، محل کی مالکہ میں ہوں
جاؤ تم سے جو کچھ کہا گیا ہے کرو۔ ورنہ میں تمھیں آج
ہی سہ پہر کو دریائے نیل میں ڈال دونگی تاکہ مگر
اور گھڑیال تم کو نگل جائیں۔

سیزر۔ (گھبرا کر) اوہ۔ نہیں نہیں۔

کلیوپیٹرا۔ ہاں، ہاں، تم بہت جذباتی ہو اور بڑے
چالاک بھی ہو اور اگر تم میرے کہنے کے مطابق عمل کرو تو
تم کو حکومت کرنا جلد آجائے گا۔

(سیزر اس شوخی سے بے حد متاثر ہو کر ساکت
کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور کلیوپیٹرا کو گھورنے
لگتا ہے۔ فتاتا زبردستی ہنستی ہوئی جاتی ہے)

سیزر۔ کلیوپیٹرا میں یہ سوچتا ہوں کہ اب تم کو
نگل لینا چاہیئے۔

کلیوپیٹرا۔ (اس کے قریب گھٹنوں کے بل کھڑے
ہو کر متمنی نگاہوں سے دیکھنے لگتی ہے) تمھیں مجھے ایک
بچے کی طرح باتیں نہ کرنی چاہئیں۔

سیزر۔ اس رات سے جب ابوالہول نے ہمارا
تمھارا تعارف کرایا تھا، تم بڑی ہوتی جا رہی ہو۔ اور
تمھارا خیال ہے تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔

کلیوپیٹرا۔ (اپنی غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے) نہیں یہ
میری انتہائی بیوقوفی ہو گی۔ تاہم میں یہ ضرور جانتی
ہوں مگر ——— (یکایک) کیا تم مجھ سے
خفا ہو!

سیزر۔ نہیں

کلیوپیٹرا۔ (یقین کرتے ہوئے) تو تم اس قدر خیالات
میں کیوں ڈوبے ہوئے ہو۔؟

سیزر۔ (اُٹھ کر) مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے
کلیوپیٹرا۔

کلیوپیٹرا۔ (جھنجلاتے ہوئے) کام (نفرت سے) تم باتیں
کرتے کرتے تھک گئے ہو، اور اب مجھ سے اپنا پیچھا چھڑانا
چاہتے ہو۔

سیزر۔ (بیٹھ کر) خیر اور ایک منٹ سہی، لیکن
اس کے بعد پھر ——— کام!

کلیوپیٹرا۔ کام کیا لغو چیز ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے
کہ اب تم ایک بادشاہ ہو، اور میں نے تم کو بادشاہ بنا
دیا ہے، بادشاہ کام نہیں کیا کرتے۔

سیزر۔ یہ تم سے کس نے کہا۔ چھوٹے بلی کے بچے؟

کلیوپیٹرا۔ میرا باپ مصر کا بادشاہ تھا اور اس نے
کبھی کسی کام میں ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ لیکن وہ ایک بہت
زبردست بادشاہ تھا اور اس نے میری بہن کا سر محض
اس لئے قلم کر دیا کہ اُس نے باپ سے بغاوت کی تھی
اور اس سے اس کا تخت چھین لیا تھا۔

سیزر۔ بہت خوب! لیکن اُسے پھر اس کا تخت
کیونکر واپس مل گیا۔؟

کلیوپیٹرا - (آنکھیں مسرت سے چمکنے لگتی ہیں) سنو، ایک حسین جوان آدمی، جس کے بازو، خوبصورت، گول اور مضبوط تھے، بہت سے سواروں کے ساتھ ریگستان میں وارد ہوا - اس نے میری بہن کے شوہر کو قتل کر ڈالا اور میرے والد کو تخت واپس دلا دیا - اُس وقت میری عمر صرف بارہ برس کی تھی، میں چاہتی ہوں کاش کہ وہ پھر آتا اور میں اسے اپنا شوہر بنالیتی -

سیزر - شاید یہ ممکن ہو - کیونکہ وہ شخص میں ہی ہوں، جس نے اس خوبصورت آدمی کو تمھارے باپ کی مدد کے لئے بھیجا تھا -

کلیوپیٹرا - (خوشی سے پھول کر) تم اُسے جانتے ہو؟

سیزر - (سر ہلا کر) ہاں!

کلیوپیٹرا - کیا وہ تمھارے ساتھ آیا ہے؟ -

(سیزر سر ہلا کر انکار کرتا ہے، اس سے کلیوپیٹرا انتہائی درجہ شکستہ دل ہو جاتی ہے) کاش وہ آیا ہوتا - کاش میں اور بڑی ہوتی کہ وہ مجھے تمھاری طرح صرف ایک بلی کا بچہ نہ سمجھتا - لیکن یہ شاید اس لئے کہ تم بڈھے ہو وہ تم سے عمر میں کئی سال چھوٹا ہے، کیا وہ چھوٹا نہیں ہے؟

سیزر - (جیسے ایک گولی نگل رہا ہو) ہاں وہ کسی قدر کم عمر ہے -

کلیوپیٹرا - کیا وہ میرا شوہر بننا پسند کریگا؟ کیا تمھارا خیال ہے کہ وہ میری اس درخواست کو منظور کرلیگا؟

سیزر - بہت ممکن ہے -

کلیوپیٹرا - لیکن مجھے اس سے کہنا نہ چاہیے - کیا تم اسکو مجھ سے دریافت کرنے پر راغب نہیں کر سکتے؟ مگر اسے یہ نہ بتاؤ کہ یہ میری خواہش ہے -

سیزر - (اس کی معصومیت سے متاثر ہو کر) میری چھوٹی بچی!

کلیوپیٹرا - تم مجھے بچہ کیوں کہتے ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے لئے متاسف ہو؟ کیا اُسے اور کسی سے محبت ہے؟

سیزر - مجھے کچھ ایسا ہی خطرہ ہے!

کلیوپیٹرا - (اشک آلود کر) تو پھر میں اس کی پہلی محبوبہ نہ بن سکونگی -

سیزر - ہاں پہلی محبوبہ نہیں بن سکتی عورتیں اسکی بے حد مداح اور قدردان ہیں -

کلیوپیٹرا - کاش میں سب سے پہلی محبوبہ ہوتی تاہم اگر وہ مجھ سے محبت کریگا تو میں اُس کو مجبور کرونگی کہ وہ اور سب کو قتل کر ڈالے - کیا وہ اب بھی خوبصورت ہے؟ کیا اس کے خوبصورت طاقتور اور گول بازو سورج کی روشنی میں، سنگ مرمر کی طرح چمکتے ہیں؟

سیزر - وہ بہت تندرست ہے -

کلیوپیٹرا - اوہ، تم کو اس کے متعلق عام، دنیاوی باتیں نہ کہنی چاہئیں کیونکہ میں اس سے محبت کرتی ہوں وہ ایک دیوتا ہے -

سیزر - وہ سواروں کا بڑا سردار ہے اور دوڑنے میں سب رومیوں سے زیادہ تیز ہے -

کلیوپیٹرا - اس کا اصل نام کیا ہے؟

سیزر - (گھبرا کر) اس کا اصل نام ؟

کلیوپیٹرا - ہاں! میں اس کو ہمیشہ ہورس کہتی ہوں کیونکہ ہورس ہمارے دیوتاؤں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے لیکن میں اس کا اصل نام دریافت کرنا چاہتی ہوں۔

سیزر - اس کا نام مارک انطونی ہے۔

کلیوپیٹرا - (ترنم کے ساتھ) مارک انطونی، مارک انطونی - کس قدر پیارا نام ہے (وہ دونوں بازو سیزر کی گردن میں حمائل کر دیتی ہے) آہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے کہ تم نے اسے میرے باپ کی مدد کو بھیجا؟ کیا تمھیں میرے باپ سے محبت تھی؟

سیزر - نہیں میری بچی! لیکن تمھارے باپ نے کبھی محبت نہیں کی، جیسا کہ تم ابھی کہہ چکی ہو، اور میں ہمیشہ کام کرتا رہتا ہوں اس لئے جب اس نے اپنا تخت کھو دیا تو اس نے مجھے سولہ ہزار ٹیلنٹس اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا تھا کہ میں اسے تخت واپس دلا دوں۔

کلیوپیٹرا - کیا اس نے وہ رقم ادا نہیں کی؟

سیزر - سب نہیں۔

کلیوپیٹرا - وہ تو بالکل راستی پر تھا، کیونکہ اس اعانت کا یہ بہت زیادہ معاوضہ تھا۔ اور ساری دنیا کی قیمت سولہ ہزار ٹیلنٹس نہیں ہو سکتی۔

سیزر - ہاں! شاید تمھارا کہنا ٹھیک ہو۔ غریب مصری مزدوروں نے اس قدر ادا کر دیا جتنا بادشاہ ان سے وصول کر سکتا تھا۔ اور باقی رقم اب بھی وصول طلب ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے یقین ہے اب وہ مجھے نہ مل سکے گی۔ اس لئے اب مجھے اپنے کام پر جانا چاہیے۔ اس لئے تم ذرا دوڑ جاؤ اور میرے سکریٹری کو بلا لاؤ۔

کلیوپیٹرا - (خوشامدانہ) نہیں میں یہیں ٹھہرونگی میں یہیں ٹھہرنا چاہتی ہوں تاکہ تم سے مارک انطونی کے متعلق کچھ اور سنوں۔

سیزر - لیکن اگر میں محنت نہ کروں تو پوتھینس اور دوسرے آدمی ہمیں بندرگاہ سے جدا کر دیں گے، اور پھر روم کا راستہ بند ہو جائیگا۔

کلیوپیٹرا - کوئی پروا کی بات نہیں ہے، میں تمھیں چاہتی ہوں کہ تم پھر روم واپس جاؤ۔

سیزر - لیکن تم وہاں سے مارک انطونی کو بلانا چاہتی ہو۔

کلیوپیٹرا - (مسرت سے اچھل کر) اوہ - ہاں، ہاں میں بھول گئی۔ جاؤ جلد اور کام کرو سیزر! اور سمندر کا راستہ مارک انطونی کے لئے کھلا رہنے دو۔

(وہ دالان میں بھاگ جاتی ہے اور اپنا ہاتھ مارک انطونی کے تصور میں سمندر کی طرف اٹھا کر چوم لیتی ہے)

سیزر - (دالان کی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر دالان میں جاتے ہوئے) برٹینس! (وہ ایک زخمی رومی سپاہی کے داخل ہونے پر چونک پڑتا ہے جو اسے اوپر کی سیڑھی سے تکنے لگتا ہے) کیوں؟ کیا حال ہے؟

سپاہی - (اپنے پٹی بندھے ہوئے سر کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے) میرے دو رفیق بازار میں قتل
کر دیئے گئے اور میں زخمی ہوا۔

سیزر۔ (خاموشی سے غور کرتے ہوئے) مگر کیوں؟

سپاہی۔ یہاں اسکندریہ میں ایک فوج آئی ہے
جو اپنے آپ کو رومی فوج بتاتی ہے۔

سیزر۔ رومی مقامی فوج ہاں؟

سپاہی۔ اچیلس کی نگرانی میں

سیزر۔ اچھا؟

سپاہی۔ جب فوج پھاٹک میں داخل ہوئی تو
شہری ہماری مخالفت پر تیار ہو گئے۔ جب یہ خبر
پہنچی تو میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ بازار میں تھا
لوگ ہم پر حملہ کر بیٹھے اور میں بمشکل تمام اُن سے بچکر
یہاں تک پہنچ سکا۔

سیزر۔ خوب۔ میں تم کو دیکھکر مسرور ہوں۔

(روفیو بہ عجلت دالان میں داخل ہوتا ہے اور سپاہی کے پیچھے
سے گذرتا ہے، تاکہ ایک محراب میں سے نیچے کا منظر دیکھ سکے)

روفیو ہم نظر بند کر لئے گئے۔

روفیو۔ کیا؟ بالکل؟

سیزر۔ ہاں بالکل،

(بری ٹینس اندر دوڑتا ہوا آتا ہے)

بری ٹینس۔ سیزر!

سیزر۔ (اس کے خیالات کو تاڑتے ہوئے) ہاں
میں جانتا ہوں (روفیو اور بری ٹینس دالان کی متضاد
سمتوں سے داخل ہوتے ہیں اور سیزر کے قریب سے
گزر جاتے ہیں جو سیڑھیوں کے قریب ایک لمحہ کے لئے کھڑا
ہوا سپاہی سے کچھ کہنا چاہتا ہے) ——— میرے
دوست۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ یہاں سے نکل کر سمندر کے
کنارے جاؤ گے اور کشتیوں کی حفاظت کرو گے جاؤ
اپنے زخموں کی مرہم پٹی کراؤ (سپاہی چلا جاتا ہے، سیزر
نیچے دالان میں بری ٹینس اور روفیو کے درمیان آتا ہے)۔

روفیو ہمارے بعض جہاز مغربی کنارے پر ہیں اُن کو
جلا دو۔

روفیو۔ (تعجب سے) جلا دو!

سیزر۔ ہاں اُنھیں جلا دو اور مشرقی کنارے پر
جتنی کشتیاں ہیں اُنھیں لیکر اس جزیرہ پر قبضہ کر لو
جس میں روشن مینار نظر آتا ہے۔ ہمارے نصف
رفیقوں کو یہیں چھوڑ دو تاکہ وہ ساحل کی حفاظت کریں
اور محل سے باہر جانے کے راستہ کی پوری نگرانی
رکھیں۔ یہی گھر کا راستہ ہے۔

روفیو۔ (نہایت بددلی سے) کیا ہم شہر چھوڑ دیں۔

سیزر۔ یہ ہم کو ملا نہیں ہے روفیو! صرف یہ
محل ہمارا ہے اور ——— وہ دوسری عمارت
دوسرے دروازہ کے پاس کونسی ہے؟

روفیو۔ تھیٹر۔

سیزر۔ ہم اسے بھی لے لیں گے، کیونکہ ساحل کی
حفاظت کے لئے اس پر قبضہ ضروری ہے۔ باقی
حصہ مصریوں کے لئے ہے۔

روفیو۔ ہوں! میرا خیال ہے کہ آپ سب سے
بہتر جانتے ہیں ——— اور کچھ؟

سیزر۔ بس اور کچھ نہیں۔ کیا وہ جہاز ابھی تک

نذرِ آتش نہیں کئے گئے؟

روفیو ۔ گھبراؤ نہیں سیزر، میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کروں گا (وہ بھاگ جاتا ہے)

بری تینس ۔ سیزر، پوتھینس کو کوئی سبق دینا چاہئے اس کا رویہ بے حد وحشیانہ ہے

سیزر ۔ وہ کہاں ہے؟

بری تینس ۔ وہ باہر انتظار کر رہا ہے۔

سیزر ۔ اچھا بلاؤ پوتھینس کو!

(پوتھینس داخل ہوتا ہے اور گزر کر دالان میں سیزر کی بائیں جانب نہایت تند خوئی سے آتا ہے)

سیزر ۔ پوتھینس؟

پوتھینس ۔ سیزر، ہم تم کو آخری بار آگاہ کرنے آئے ہیں۔

سیزر ۔ آخری آگاہی! دروازہ کھلا ہوا تھا جنگ کا اعلان کرنے سے قبل تم کو اس دروازہ سے نکل جانا چاہئے تھا۔ اب تم میرے قیدی ہو۔ (وہ کرسی کے قریب جاکر اس کی عبا کھولتا ہے)

پوتھینس ۔ (نفرت سے) میں تمھارا قیدی! کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم اسکندریہ میں ہو، اور بادشاہ ٹالمی ایک بےشمار فوج کے ساتھ جو تمھاری ذرا سی فوج کے مقابلہ میں سو گنا زیادہ ہے، اسکندریہ کا حکمراں ہے!

سیزر ۔ (بے پروائی سے اس کی عبا اتار کر تخت پر پھینکتے ہوئے) اچھا میرے دوست، اگر تم میں طاقت ہے تو یہاں سے بھاگ جاؤ اور اپنے دوستوں سے کہو کہ وہ بازار میں کسی رومی کو قتل نہ کریں ورنہ میری سپاہی، جو میری طرح رحمدل اور حلیم نہیں ہیں، یقیناً تم کو مار ڈالیں گے، بری ٹینس محافظ کو اطلاع کر دو۔ اور میری زرہ لاؤ۔ (بری ٹینس چلا جاتا ہے روفیو داخل ہوتا ہے) کیا خبر لائے؟

روفیو ۔ (دالان میں سے ساحل کی طرف اٹھتے ہوئے دھوئیں کی طرف اشارہ کرکے) اس طرف دیکھو۔ (پوتھینس بےچینی سے باہر دیکھنے کو سیڑھی کی طرف دوڑتا ہے)

سیزر ۔ کیا؟ بالکل آگ لگادی، ناممکن ہے۔

روفیو ۔ ہاں، پانچ بہترین جہاز، اور ہر ایک کے ساتھ ایک تیل سے بھرا ہوا خزانہ بھی لیکن یہ میرا کیا ہوا نہیں ہے، مصریوں نے مجھے اس تکلیف سے بچا لیا، انھوں نے مغربی ساحل پر قبضہ کر لیا ہے۔

سیزر ۔ (بےچینی سے) اور مشرقی ساحل؟ روشنی کا مینار، روفیو؟

روفیو ۔ (سیزر کے قریب آکر) کیا میں ایک فوجی دستہ کو جہاز پر صرف پانچ منٹ میں روانہ نہ کر سکتا ہوں؟ پہلا دستہ ساحل پر پہنچ گیا ہے اگر آپ اس سے تیز کام چاہتے ہیں تو خود آکر کر لیجئے

سیزر ۔ (تسکین دیکر) شاباش شاباش تاہم صبر سے کام لو، روفیو، صبر!

روفیو ۔ صبر! یہاں کون بےصبر ہے۔ آپ یا میں؟ اگر میں ان کو اس دالان سے نہ دیکھ سکتا تو کیا یہاں ٹھہرتا؟

سیزر ۔ معاف کرو۔ روفیو۔ اور (بےچینی سے) جلدی کرو۔ جس قدر ممکن ہو ——— (ایک بڈھے آدمی

کی دردناک آواز اس کی گفتگو کو منقطع کر دیتی ہے اور وہ آواز قریب آجاتی ہے۔ آخر کار تھیوڈوٹس اپنے بال نوچتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ روفیو اُسے دیکھنے کو نیچے اُتر جاتا ہے اس کی اس حالت پر متعجب ہو کر پوتھینس سننے لگتا ہے)

تھیوڈوٹس - (سیڑھی پر دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھاکر) آہ ناقابلِ بیان خطرہ، بدقسمتی، افسوس، مدد!

روفیو - کیا ہوا؟

سیزر - (دھمکاکر) کون قتل ہوا؟

تھیوڈوٹس - قتل، آہ دس ہزار آدمیوں کی موت سے زیادہ خوفناک نقصان دنیائے انسانیت کا ناقابلِ تلافی خسارہ!

روفیو - آخر ہوا کیا؟ بھلے آدمی؟

تھیوڈوٹس - (دالان میں آتے ہوئے) تمہارے جہاز کی آگ مشتعل ہو چکی ہے اور دنیا کے سات عجائبات میں سے سب سے پہلی چیز برباد ہو رہی ہے اسکندریہ کے کتب خانہ میں آگ لگ گئی ہے۔

روفیو - اوہ - (وہ بالکل مطمئن انداز سے دالان کی طرف جاتا ہے اور ساحل پر فوج کی نقل و حرکت دیکھنے لگتا ہے)

سیزر - کیا یہی خبر ہے؟

تھیوڈوٹس - (اس کے ہوش و حواس پر یقین نہ کرتے ہوئے) یہی! سیزر، کیا تم ایک وحشی سپاہی کی طرح نسلاً بعد نسلٍ کتابوں کی قدر و قیمت سے ناآشنا ہی بنے رہو گے؟

سیزر - تھیوڈوٹس! میں خود ایک مصنف ہوں، اور میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ بہتر ہے کہ مصری خود اپنی زندگی کو، زندگی کی طرح گذاریں بجائے اس کے کہ وہ کتابوں کی مدد سے اسے خواب بنالیں۔

تھیوڈوٹس - (گھٹنوں پر کھڑے ہو کر ادبی جوش و ذوق اور خود نمائی کے جذبہ کے ساتھ) سیزر، انسان کی دس پشتوں کے بعد دنیا کو ایک غیر فانی کتاب نصیب ہوتی ہے۔

سیزر - جسے معمولی سے معمولی آدمی بھی جلا سکتا ہے۔

تھیوڈوٹس - تاریخ کے بغیر، موت تمہارے اور ایک سپاہی کے مابین کوئی امتیاز باقی نہ رکھیگی اور اسی کے برابر سلادیگی۔

سیزر - موت تو ہر حال میں یہی کرے گی، مجھے اس سے بہتر قبر کی تمنا بھی نہیں ہے۔

تھیوڈوٹس - جو کچھ وہاں جل رہا ہے وہ انسانیت کا ذہن اور حافظہ ہے۔

سیزر - ایک شرم آلود حافظہ، اُسے جل جانے دو۔

تھیوڈوٹس - کیا تم ماضی کو برباد کر دو گے؟

سیزر - ہاں، اور اس کے ویرانوں پر مستقبل کی تعمیر کرونگا ——— (تھیوڈوٹس عالم یاس میں مٹھیوں سے اپنی کنپٹیوں پر گھونسے مارنے لگتا ہے)۔ لیکن سنو تھیوڈوٹس بادشاہوں کے استاد، تم، جس نے پمپئی کے سر کی اتنی قیمت بھی نہ لگائی جتنی ایک چرواہا پیاز کی لگاتا ہے۔ اور تم جواب میرے سامنے اشک آلود آنکھوں سے چند [illegible]

کی کھالوں کی جن پر کچھ گُدا ہوا ہے، حفاظت کی درخواست
کر رہے ہو، سنو کہ میں اس وقت تمھاری امداد ایک
آدمی یا ایک کٹورا پانی سے بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن تم محل
سے آزادانہ طور پر جا سکتے ہو۔ اچیلس کے پاس جاؤ
اور اُس سے فوجیں مستعار لو۔ تاکہ وہ آگ بجھا دیں۔
(وہ اُسے سیڑھیوں پر تیزی سے بھگا دیتا ہے)

پوتھینس۔ (معنی خیز انداز سے) سمجھے تھیوڈوٹس،
اور میں ایک قیدی ہوں۔

تھیوڈوٹس۔ ایک قیدی!

سیزر۔ کیا جب انسان کا حافظہ جل رہا ہے
تو تم باتیں کرنے کے لئے ٹھہرے رہو گے؟ (دالان
میں سے پکار کر) وہاں جاؤ تھیوڈوٹس، باہر نکل جاؤ
(تھیوڈوٹس سے) چلے جاؤ۔

تھیوڈوٹس۔ (پوتھینس سے) مجھے کتب خانہ کو
بچانے کے لئے جانا چاہیئے (وہ چلا جاتا ہے)

سیزر۔ جاؤ پوتھینس، اس کے ساتھ دروازہ
تک جاؤ۔ اس سے کہو کہ وہ اپنے ساتھیوں سے یہ
استدعا کرے کہ وہ میرے کسی اور سپاہی کو
قتل نہ کریں۔ یہ صرف تمھاری خاطر ہے۔

پوتھینس۔ اگر تم نے میری جان لی، تو اس کا معاوضہ
ادا کرنا دوبھر ہو جائیگا۔ یاد رکھو سیزر! (وہ
تھیوڈوٹس کے پیچھے جاتا ہے)

(روفیو، جہاز کی طرف دیکھنے میں اس قدر
محو ہوتا ہے کہ اُسے دونوں مصریوں کے جانیکا
احساس نہیں ہوتا)

روفیو۔ (دالان سے ساحل کی طرف پکار کر) وہاں
سب کچھ ٹھیک ہو گیا؟

ایک صوبیدار۔ (نیچے سے) سب ٹھیک ہے۔
ہم کو صرف سیزر کا انتظار ہے۔

سیزر۔ ان سے کہو کہ سیزر آ رہا ہے۔ سیزر
(پکار کر) بری ٹینس۔

روفیو۔ (نیچے پکار کر) چلو سب لوگ بڑھو۔ صرف
ایک بڑی کشتی رہنے دو اور اس کے پاس سیزر
کے محافظ کھڑے رہیں (وہ برآمدے سے اُتر کر دالان
میں آتا ہے) وہ مصری کہاں ہیں۔ ان کو چلے جانیکی
اجازت دیدی؟

سیزر۔ (زبان چبا کر) میں نے تھیوڈوٹس کو کتبخانے
کو بچانے کے لئے جانے کی اجازت دیدی ہے۔ روفیو ہم کو
ادب (لٹریچر) کی عزت کرنی چاہیئے۔

روفیو۔ (بیزار ہوتے ہوئے) بیوقوفی۔ جہالت۔
مجھے یقین ہے کہ اگر آپ ہسپانیہ، گال اور تھسلی کے
تمام مُردوں کو زندہ کر سکتے تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم
ان سے دوبارہ لڑیں۔

سیزر۔ کیا دیوتا ساری دنیا کو برباد نہ کر دیں اگر
صرف آئندہ سال تک مطمئن رہنے کا خیال ان کو ہو؟
(روفیو بے چینی اور غصہ سے منہ پھیر لیتا ہے۔ سیزر فوراً اُسکی
آستین پکڑ لیتا ہے اور اس کے کان میں چپکے سے کہتا ہے)
میرے دوست ایک مصری کو قید کرنا یہ معنی رکھتا ہے
کہ دو رومی سپاہی اس کی حفاظت کے لئے مقید
ہو گئے؟

(روفیو نہایت مردہ دل ہو کر سیزر کی طرف سے پلٹتا ہے اور برآمدہ میں جاتا ہے اور سفر کی طیاریوں کو دیکھکے پھر باہر چلا آتا ہے)

سیزر- کیا بری ٹینس سو گیا؟ میں نے ایک گھنٹہ ہوا اُسے زرہ بکتر لانے کو بھیجا تھا- (پکار کر) بری ٹینس! او برطانوی جزیرہ کے رہنے والے بری ٹینس

(کلیو پیٹرا، سیزر کی زرہ اور تلوار لیے ہوئے جو اس نے بری ٹینس سے لے لی تھی، برآمدہ سے داخل ہوتی ہے- بری ٹینس اور دوسری چیزیں لئے ہوئے پیچھے پیچھے آتا ہے دونوں سیزر کے پاس آتے ہیں- وہ سیزر کی دائیں جانب اور بری ٹینس بائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے)

کلیو پیٹرا- میں تم کو کپڑے وغیرہ پہناؤنگی سیزر بیٹھ جاؤ- (وہ بیٹھ جاتا ہے) یہ رومی خود ہے بہت موزوں ہے (وہ اس کی پگڑی اتار ڈالتی ہے) اوہ- (وہ قہقہہ مارتی ہے)

سیزر- تم کس بات پر ہنس رہی ہو؟

کلیو پیٹرا- تمھارے گنجے سر پر-

سیزر- (گھبرا کر) کلیو پیٹرا-

(وہ بری ٹینس کی سہولت کی خاطر، جو اُسے جوشن پہنا رہا ہے کھڑا ہو جاتا ہے)

کلیو پیٹرا- اس لئے تم یہ پگڑی پہنتے ہو- اسے چھپانے کے لئے-

بری ٹینس- او مصری خاموش رہ یہ ایک فاتح کے راز ہیں-

(وہ جوشن باندھ دیتا ہے)

کلیو پیٹرا- چپ رہ- او جزیرے کے باشندے (سیزر سے) تمھیں اپنے سر پر تیز سرکہ ملنا چاہیے سیزر اس سے بال نکل آئیں گے-

سیزر- (منہ بنا کر) کلیو پیٹرا اگر تم کہو تو یاد دلادوں کہ تم ابھی بالکل جوان ہو-

کلیو پیٹرا- نہیں-

سیزر- (جھک کر اور پاؤں بری ٹینس کی طرف پھیلا کر) اور میں بھی اس بات کو یاد رکھنا پسند نہیں کرتا کہ میں کیا ہوں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بہتر ہے میں اپنی زندگی کے بہترین دس سال تمھارے نذر کر دوں اس سے تم چھبیس سال کی ہو جاؤ گی- اور مجھے چھوڑ دو- میرا کیا ہے یہ سودا تمھیں منظور ہے؟

کلیو پیٹرا- منظور- چھبیس خیال رکھو- (وہ اسے خود پہنا دیتی ہے) اوہ- کس قدر خوبصورت ہے تم اسکو پہنکر صرف پچاس برس کے معلوم ہوتے ہو-

بری ٹینس- (کلیو پیٹرا کی طرف سختی سے دیکھکر) تم کو سیزر سے اس طرح گفتگو نہ کرنی چاہیے-

کلیو پیٹرا- کیا یہ سچ ہے کہ جب سیزر نے تم کو اس جزیرہ میں پکڑا تھا تو نیلے رنگ سے رنگ دیا تھا؟

بری ٹینس- نیلا رنگ تمام برطانوی شرفا استعمال کرتے ہیں- جنگ میں ہم اپنے جسم کو نیلا رنگ لیتے ہیں

(وہ کھڑا ہو جاتا ہے)

کلیو پیٹرا- (سیزر کی تلوار لیکر) مجھے یہ لٹکانے دو

اب تم بڑے شاندار معلوم ہوتے ہو۔ کیا روم میں تمھارا کوئی مجسمہ بنایا گیا ہے؟

سیزر۔ ہاں بہت سے مجسمے۔

کلیوپیٹرا۔ تو تم کو چاہیے کہ ایک رنگوا کر مجھے دو۔

(روفیو دوبارہ برآمدہ میں آتا ہے اور بے چین معلوم ہوتا ہے)

روفیو۔ سیزر! کیا باتیں ختم ہو چکیں؟ جیسے ہی تمھارا قدم جہاز پر ہوگا۔ ہمارے آدمیوں کی گرفتاری شروع ہو جائے گی۔ کشتیاں روشن مینار تک پہنچنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گی۔

سیزر۔ (تلوار کھینچکر اس کی دھار چھوتے ہوئے) بری ٹینس۔ کیا یہ تلوار آج بالکل ٹھیک ہے پہلے تو یہ ایک چھری کی طرح بالکل کند تھی۔

بری ٹینس۔ یہ آج ایک مصری کے بال کو بھی دو کر سکتی ہے۔

کلیوپیٹرا۔ (یکایک خوفزدہ ہو کر اپنے ہاتھ سیزر کی گردن میں حائل کرتے ہوئے) اوہ۔ تم جنگ میں تو نہیں جا رہے ہو کہ لڑکر مارے جاؤ۔

سیزر۔ نہیں کلیوپیٹرا۔ کوئی شخص مر جانے کو جنگ میں نہیں جایا کرتا۔

کلیوپیٹرا۔ لیکن جانیوالے ضرور مر جاتے ہیں۔ میرا بہنوئی بھی لڑائی میں مارا گیا۔ تم کو نہ جانا چاہیے۔ اس کو جانے دو (روفیو کی طرف اشارہ کرتی ہے، سب اس پر ہنستے ہیں) اوہ خدا کے لئے مت جاؤ۔ اگر تم پھر واپس نہ آئے تو میری کیا حالت ہو گی؟

سیزر۔ (سنجیدگی سے) کیا تم خوفزدہ ہو؟

کلیوپیٹرا۔ (بے چینی سے) نہیں۔

سیزر۔ (خاموش اور بارعب انداز سے) جاؤ تم برآمدہ میں سے جاکر دیکھو کہ ہم جزیرہ پر کس طرح قبضہ کرتے ہیں۔ تمھیں جنگی مناظر دیکھنے کا درس لینا چاہیے جاؤ (وہ افسردہ دلی کے ساتھ جاتی ہے اور برآمدہ میں سے باہر کی طرف دیکھتی ہے) ہاں اب ٹھیک ہے۔ روفیو۔ چلو۔

کلیوپیٹرا۔ (یکایک تالی بجاکر) تم نہ جا سکو گے؟

سیزر۔ کیوں؟ اب کیا رہ گیا ہے؟

کلیوپیٹرا۔ اُدھر (اپنی بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے) ساحل پر، فوجیوں کی ایک بڑی جماعت پانی ڈول سے نکال رہی ہے

روفیو۔ (اٹھکر دیکھتے ہوئے) سچ ہے۔ مصری فوج مغربی ساحل کے کنارے ٹڈی دل کیطرح حرکت کر رہی ہے۔ (وہ غصہ سے اتر کر سیزر کے پاس آتا ہے) یہ آپ کی بربادی کا سامان ہے سیزر تھیوڈوٹس ان کو اپنے ساتھ لایا ہے۔

سیزر۔ (خوش ہوکر) روفیو میں نے خود اس سے کہا تھا۔ وہ لوگ آگ بجھانے آئے ہیں اور جتنی دیر تک وہ کتب خانے کی آگ بجھانے میں منہمک رہیں گے ہم روشنی کا مینار اپنے قبضے میں کر لیں گے۔

(وہ برآمدہ میں تیزی سے جاتا ہے اور بری ٹینس بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے)

روفیو - (آزردہ خاطر ہوکر) انتہائی بیوقوفی۔
(وہ باہر چلا جاتا ہے - ایک سپاہی کی آواز
سے معلوم ہوتا ہے کہ سیزر نیچے پہنچ گیا۔)
صوبیدار - (نیچے) سب لوگ جہاز پر چلو اور
راستہ خالی کرو۔
کلیوپیٹرا - (اپنا رومال برآمدہ میں ہلاتی ہے) پیارے
سیزر خدا حافظ ——— (باقی دارد)

(ترجمہ برنارڈ شا) محشر عابدی

ایک ارزاں سودا

خواب وخیال ۶ع ر
زہر عشق عہ ر
شوپنہار عہ ر
فلسفۂ مذہب عہ ر
تذکرۂ خندۂ گل ۶ع ر
انتخاب گلابی اردو ۸ ر
عرب اور اس کا مستقبل عہ ر
شاعر کا انجام ۱۰ ر
بحر تبسم عہ ر

ان سب کتابوں کی مجموعی قیمت علاوہ محصول ۲۰عہ ۱۱ر ہے لیکن یہ سب کتابیں ایک ساتھ طلب کرنے میں آپ کو علاوہ محصول ۵عہ میں ملسکتی ہیں ہر آرڈر کے ساتھ چوتھائی قیمت آنا ضروری ہے۔

موج تبسم ۱۴ عہ ر
فراست الید عہ ر
مذاکرات نیاز ۱۲ ر
فلاسفہ قدیم عہ ر
جذبات بھاشا ۱۲ ر
نقاب اٹھ جانے کے بعد ۵ ر
لالہ رخ عہ ر
فراست التحریر مکمل عہ ر
"منیجر نگار لکھنؤ"

آئندہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کا نگار

اردو میں بالکل پہلی چیز ہوگا

اس ماہ کے صفحہ ۱۲ اور صفحہ ۵۶ کو ملاحظہ کیجئے

منیجر نگار لکھنؤ

آئندہ جنوری (سنہ ۳۲) کے نگار کے چند مختلف ٹکڑے

تاریخ الفحشاء، یا شہوانیات کے موضوع پر

(حضرت نیاز فتحپوری کے قلم سے)

ہیروڈوٹس مشہور مورخ لکھتا ہے کہ "سب سے پہلے اہل مصر میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہیکلوں اور معبدوں کے اندر عورت سے بات چیت کرنا ناجائز ہے اور اس میں اس حد تک غلو ہوا کہ اگر مندر میں داخل ہونے سے قبل وہ کسی عورت سے گفتگو کر لیتے تھے تو بغیر غسل کئے ہوئے اندر نہ جاتے تھے۔ لیکن اہل مصر کے علاوہ دیگر اقوام وملل کا نظریہ کچھ اور تھا وہ کہتے تھے کہ جب مندروں اور معبدوں کے اندر مختلف قسم کے جانور اور طیور باہدگر ملتفت ہوتے ہیں اور دیوتا اس سے ناخوش نہیں ہوتے تو کوئی وجہ نہیں کہ مرد وعورت کا اختلاط وہاں ناجائز قرار دیا جائے۔ یہ خیال رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کر گیا کہ معبدوں کے اندر اختلاط جنسی مذہبی عبادت قرار پایا

ایک عرب جغرافیہ داں نے یوروپ کی سلافی قوم کی نسبت حسب ذیل دلچسپ تحقیق پیش کی ہے:۔
اگر سلافی قوم کی کوئی لڑکی کسی مرد پر فریفتہ ہو جاتی ہے تو وہ بالکل آزاد ہوتی ہے۔ اور اس پر بجائے ملامت کے اظہار فخر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ اگر شادی کے بعد لڑکی کی عصمت غیر مجروح پائی جاتی ہے تو اس کا مرد اس پر طعن کرتا ہے اور اگر گھر سے نہیں نکالتا تو بہت ذلت کے ساتھ رکھتا ہے۔

مغرب کی ایک پیشہ ور عورت نے جو اپنے تجربات لکھے ہیں وہ عجیب وغریب ہیں وہ لکھتی ہے:۔
"میں گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ ہمارے گاؤں میں کبھی کبھی ایک دولتمند شخص آتا اور میرے اور میری ہمسن لڑکیوں کے سامنے بالکل برہنہ ہو جاتا اور تھوڑی دیر کے بعد چلا جاتا۔ بعد کو یہ شخص گرفتار ہو کر قید میں ڈال دیا گیا۔ میں نے بعض مردوں میں اس سے زیادہ عجیب وغریب شوق دیکھے۔ مثلاً میرے پاس ایک نوجوان آتا اور ٹوکرے میں بند کبوتر کا ایک جوڑا بھی اپنے ساتھ لاتا۔ اس کے آنے کے بعد میں اور

میرے ساتھ کی دوسری لڑکی بہ حالت عریانی ایک ایک کبوتر اپنے ہاتھ میں لیتی اور ان کی گردنیں مروڑ کر زمین پر ڈالدیتی - اس جوان پر یہ منظر دیکھ کر سخت ہیجان نفس طاری ہوجاتا -

یہی عورت دوسری جگہ لکھتی ہے " ایک بار کا ذکر ہے کہ مجھے بازار میں ایک مرد ملا اور بولا کہ اگر آپ پسند کریں تو میرے ساتھ ہوٹل چلیں وہاں میں آپ کے بوٹ چاٹنا چاہتا ہوں، چنانچہ معاملہ طے ہوگیا اور ہم دونوں ایک ہوٹل میں داخل ہوئے - یہاں پہونچکر میں میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور وہ میز کے نیچے گھس کر میرے بوٹ جو کیچڑ سے لتھڑے ہوئے تھے دیر تک چاٹتا گیا -

ایک اور صاحب کے متعلق لکھتی ہے کہ :-

وہ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک قمچی لایا کرتا تھا اور میرے ساتھ کی لڑکی کو خوب مارتا تھا یہاں تک کہ اس کے جسم سے خون جاری ہوجاتا - یہی منظر اس کے لئے باعث ہیجان ہوا کرتا تھا -

---

قدیم یونان میں "استلذاذ بالضد" کا شوق خاص خاص لوگوں تک محدود تھا یعنی صرف آزاد شہریوں اور بانکے شہسواروں کو اس کی اجازت تھی - غلام یہ حرکت ہرگز نہ کر سکتے تھے، ان کے لئے سزائے موت مقرر تھی - بڑھتے بڑھتے جب یہ شوق عام ہوگیا تو مستقلاً اک معاشری ادارہ بنگیا اور حکومت نے بھی اس کی سرپرستی اختیار کرکے قوانین وضع کئے -

ملک اسپارٹا میں رواج تھا کہ جب لڑکا بارہ برس کا ہوجاتا تو وہ آزاد ہوتا کہ جس کے پاس چاہے رہے جزیرۂ کریٹ میں اس شوق نے اس قدر ترقی کی کہ باضابطہ شادیاں ہونے لگیں - اگر کوئی شخص کسی امرد پر مائل ہوتا تو وہ اس کے والدین یا اعزہ کو آگاہ کردیتا پھر اگر اس کے خاندان والے اس تعلق کو پسند نہ کرتے تو اس کی حفاظت کرتے ورنہ ملنے کی اجازت دیدیتے - نہ صرف جزیرۂ کریٹ بلکہ تھیبا اور تھیرا میں بھی اس قسم کی شادی کی رسم مذہباً جاری تھی - چنانچہ تھیبا میں اپالو کے مندر کے قریب ایک کتبہ اب بھی نظر آتا ہے - جس پر یہ عبارت کندہ ہے -

اس مقدس مقام پر بادشاہ کریون نے باتقلیس کے بیٹے سے شادی کی اور
اس نے اس یادگار میں یہ کبھی نہ محو ہونے والا نشان قائم کیا -

روم میں بھی یہی حالت تھی چنانچہ بیبل لکھتا ہے کہ عورتوں سے زیادہ یہاں امارد کے "فحش خانے" موجود تھے -

---

مردوں کی طرح عورتوں میں بھی استلذاذ بالمثل کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں اور تاریخ قدیم و جدید اس

قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔

وہ کون ہے جو سیفو کو نہیں جانتا اور اس کی شاعری پر ایمان نہیں لایا، لیکن غالباً آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ وہ بھی اس مرض میں مبتلا تھی۔ وہ لڑکیوں سے بالکل اسی طرح محبت کرتی تھی جس طرح مرد ایک عورت سے کرتا ہے چنانچہ ایک لڑکی فاؤن کی عشق میں وہ اس حد تک مبتلا ہوگئی کہ جان دینے کے لئے سمندر میں کود پڑی —— وہ اپنی سہیلیوں کو اسی شوق و ذوق کے خط لکھا کرتی تھی جیسے الکائیس اپنے محبوب لڑکوں کو لکھا کرتا تھا۔

"استلذاذ بالنفس" کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی اور دوسری فحاشیوں کی۔ چنانچہ بابل و آشوریا کے کھنڈروں میں جو معابد برآمد ہوئے ہیں ان کی دیواروں پر مصنوعی اعضا کی تصویریں بکثرت نظر آتی ہیں صحیفہ حزقی ایل میں بھی ایک جگہ اشارہ موجود ہے (ملاحظہ ہو صحیفہ مذکور باب ۱۶ آیت ۱۷)

تونے میرے دئیے ہوئے سونے چاندی کے زیور بھی لے لئے۔ تو ان سے

مردوں کے بت بناتی ہے اور ان سے اپنی خواہش پوری کرتی ہے"

برطانیہ کے عجائب خانہ میں ایک قدیم یونانی گلدان موجود ہے جس پر ایک یونانی بیسوا عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے اور وہ اپنے ہاتھ میں مصنوعی عضو جنسی لئے ہوئے ہے۔ اس قسم کا ایک دوسرا گلدان پامپیائی کے کھنڈروں سے برآمد ہوا جو اٹلی کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔

قدیم یونانی عورتوں میں اس آلہ کا نام اولسبوس تھا، لاطینی میں فلّس کہتے تھے، فرانسیسی میں اس کے لئے اصطلاح گاویمیشہ رائج تھی، انگریزی میں اس کا نام ڈلڈو تھا، اور جرمنی میں سمتھا نسے نسوانی عضو کا نام انگریزی اصطلاح میں مرکن تھا۔

الغرض کتاب تاریخ الفحشا، اسی قسم کے ہزاروں واقعات سے لبریز ہے اور فحاشی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر تاریخی، علمی، نفسیاتی بحث نہ کی گئی ہو۔ اس لئے جنوری ۱۹۳۳ء کے نگار کا جو کم از کم دس جزو پر شائع ہوگا انتظار کیجئے۔

ملحوظ خاطر رہے کہ یہ کتاب آج کل کی ان کتابوں کی طرح عریاں و مخرب اخلاق نہیں ہے جو عام طور سے بازار میں نظر آتی ہیں اور جو صرف نام بدل کر کوک شاستر کو پیش کرتی ہیں۔ یہ کتاب ایک نادر مجموعہ ہے تاریخی تحقیق کا نفسیاتی نظریوں کا اور بے مثل جنسی معلومات کا

تاجدار رقاصہ

(تاریخ کا ایک پوشیدہ ورق)

آج قصرِ فرعون دلھن کی طرح سجا ہوا ہے - جوق در جوق تماشائی ہر چار طرف سے کھنچ کھنچ کر چلے آ رہے ہیں فوج کے مسلح سپاہی باقاعدہ دروازوں پر کھڑے ہوئے نگرانی کر رہے ہیں - موسیقی کی آوازیں مختلف خوشبوؤں کے ساتھ لپٹی ہوئی اندر سے آ آ کر باہر تماشائیوں کے کانوں تک پہونچ رہی ہیں - جب کوئی کاہن یا سردار اندر داخل ہوتا ہے تو لوگوں کی صفیں پھٹ جاتی ہیں اور ان پر ہر طرف سے پھول برسائے جاتے ہیں آج فرعون نے جشنِ طرب برپا کیا ہے اور اپنے ملک کے تمام اکابر کو دعوت شرکت دی ہے

فرعون امنحوتب چارم اپنے طلائی جڑاؤ تخت پر پوری شان فرعونیت کے ساتھ جلوہ گر ہے، چاروں طرف امراء حلقہ کئے ہوئے ہیں، رامشگر رقص و سرود میں مصروف ہیں - اور ہر طرف "فرعون زندہ باد" کے نعرے بلند ہو رہے ہیں -

فرعون کے پہلو میں اس کی ماں ملکہ تیّی بیٹھی ہوئی ہے جو امنحوتب ثالث کی بیوی تھی - امنحوتب ثالث، فراعنہ مصر میں نہایت ہی بہادر و قوی فرعون گزرا ہے - اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی تیر ایسا نہیں چلایا جو نشانہ پر جا کر بھرپور نہ بیٹھا ہو - میدان جنگ میں اس کی شجاعت بجلی کا سا کام کرتی تھی اور جب شکار کو جاتا تھا تو صحرا کا صحرا درندوں سے خالی ہو جاتا تھا - کہا جاتا تھا کہ اس نے دس سال کے عرصہ میں علاوہ اور بہت سے درندوں کے ایک سو بارہ شیر اپنی تلوار سے ہلاک کئے ——

اس کا بیٹا امنحوتب چہارم بھی اپنے باپ کی طرح فتح ممالک کا شائق تھا لیکن اس کا طریق کار جدا تھا اس کے اسلحہ کچھ اور تھے - اس کا باپ تو تیر و تبر، تیغ و خنجر، نیزہ و کمان سے کام لیکر دشمنوں کو مغلوب کرتا تھا لیکن اس نے نئے دین اور نئے عقائد کا اجراء کر کے لوگوں کی روح کو مفتوح کرنا چاہا - اس نے کاہنوں کے اقتدار اور خدائے آمون کے پرانے معابدوں کو مٹا کر نئے ہیکلوں کی بنیاد ڈالی اور اسی وقت سے اس کا نام اخناتون ہو گیا -

لیکن اس وقت جو جشن اس نے ترتیب دیا اس کا تعلق کسی مذہبی رسم سے نہ تھا بلکہ فرمانروائے سوریا و شرقیہ کے ایلچی کی پذیرائی کے لئے تھا -

امنحوتب کی ماں ملکہ تیّی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے اپنی یا جگر ارباد شاہوں میں سے کسی

بادشاہ کی بیٹی کو تلاش کرے اور چونکہ شاہ سوریا کی بیٹی حسن وجمال کے لحاظ سے اس وقت آشوب زمانہ بنی ہوئی تھی اس لئے اُس نے وہیں پیام دیا اور اسی وقت وہیں کا ایلچی ہدایا وغیرہ لیکر آیا تھا تاکہ رسم نسبت ادا کی جائے اور شاہ سوریا کی بیٹی "تادو" اخناتون کے رشتہ ازدواج میں آکر ملکۂ مصر بنے۔

شاہ سوریا کے ایلچی نے اپنے بادشاہ کا مکتوب پیش کیا اور وہ ہدایا سامنے گزرانے جو اخناتون کے لئے بھیجے گئے تھے.. اخناتون نے ان کو نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا اور افسر تشریفات کو حکم دیا کہ جلسۂ رقص شروع کیا جائے۔

اس حکم کے ملتے ہی مصر کی بہترین رقص کرنے والی لڑکیاں جو اپنے حسن وجمال اور فن دلربائی کے لحاظ سے نظیر نہ رکھتی تھیں دس دس کی جماعت میں سامنے آئیں اور اپنی سحرکاریوں سے ہر ہر شخص کو مبہوت بنانا شروع کیا۔ جب ان سب کا رقص ختم ہوگیا تو معلوم ہوا کہ ایک رقاصہ باقی رہ گئی ہے جو تنہا بغیر کسی کی معیت کے اپنے فن کی نمائش کرنا چاہتی ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ حاضر کی جائے۔

وہ اندر داخل ہوئی اور اس ادا سے گویا کہ وہ وادی نیل کی سب سے زیادہ لچکدار ناگن تھی۔ اُس نے ناچنا شروع کیا مگر اس انداز سے گویا کہ وہ اپنی ہر ہر حرکت رقصیہ سے کائنات کو الٹ دینا چاہتی ہے اس کی آواز میں، اس کی آنکھوں میں، اس کے جسم کی ہر ہر جنبش میں، ایک ایسا ملکوتی سحر پنہاں تھا کہ لوگ یہ محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ کسی اور دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رقص ختم ہوا تو اخناتون نے ایک عالم مسرت میں حکم دیا کہ اس کو سامنے لایا جائے۔ وہ ڈری کہ کہیں اس کے رقص کا الٹا اثر تو نہیں ہوا کیونکہ فراعنہ کی بہت سی داستانیں وہ سن چکی تھی اور متعدد مثالیں اس کے سامنے ایسی تھیں کہ سب سے زیادہ خونریزیاں انھوں نے اسی وقت کیں جب ان کے چہروں پر تبسم دوڑ رہا تھا اور آنکھوں سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ وہ سامنے گئی لیکن اس طرح ڈرتی ہوئی، کانپتی ہوئی گویا کہ وہ شاخ بید تھی جس سے باد صرصر گزر جائے۔

اخناتون نے کہا۔ "اور قریب آ" اس کو یقین ہوگیا کہ آج خیر نہیں۔ وہ آگے بڑھی لیکن بالکل اس طرح جیسے کوئی جسم بیجان کو پکڑ کر آگے بڑھا دے —— اخناتون نے کہا "اور قریب آ" وہ اور آگے بڑھی، یہاں تک کہ فرعون کے چہرہ سے اس کے چہرہ کا فصل ایک بالشت سے زیادہ نہ تھا۔

فرعون نے پوچھا "میں نے تجھے اس سے قبل قصر کے ارباب نشاط میں نہیں دیکھا۔ تو ابھی آئی ہے"

رقاصہ —— "اے مالک، مجھے یہاں آئے ہوئے کئی مہینے ہوگئے"

فرعون - "کیا رقص تجھے بہت محبوب ہے"

رقاصہ - "اے آقا، جنون کی حد تک"

فرعون - "کیا تو شرفاء مصر کے کسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے"

رقاصہ - "ہاں، اے آقا"

فرعون - "تیرا نام کیا ہے"

رقاصہ - "نفرتیتی"

فرعون - کس قدر پیارا نام ہے۔ نفرتیتی!"

دربار میں سکوت کامل طاری تھا کہ فرعون اُٹھا اس نے رقاصہ کے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھے اور اس کو اپنے سے اور زیادہ قریب کھینچکر آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا، ---- "اے نفرتیتی تیرے اس خوبصورت سر پر مصر کا تاج کس قدر بھلا معلوم ہوگا"

یہ سنتے ہی رقاصہ کے آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہوگئے اور فرعون نے اس کے بالوں کی لٹوں کو چھوتے ہوئے کہا ---- "اے نفرتیتی، تیرے اس خوبصورت سر پر مصر کا تاج کس قدر بھلا معلوم ہوگا"

ملکہ تیتی یہ حالات معلوم کرکے بہت فکرمند ہوئی اور اس نے اپنے بیٹے کو تنہائی میں بلاکر سمجھایا کہ اس طرزِ عمل سے شاہ سوریا کو سخت تکلیف پہونچے گی اور نقضِ عہد مناسب نہیں، کاہنوں نے کہا کہ اگر نفرتیتی سے شادی کا ارادہ کیا تو ملک پر بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہونگی۔ کاہنوں کے سردار نے کہا کہ وہ رسمِ نکاح کو ادا نہ کرے گا۔ لیکن ان سب کا جواب اخناتون کے پاس صرف یہی تھا کہ "نفرتیتی کے خوبصورت سر پر مصر کا تاج کتنا بھلا معلوم ہوگا"

ایک مہینہ کے بعد سرزمین مصر نے ایک اور منظر جشنِ طرب کا دیکھا۔ جلوس راستہ سے گزر رہا ہے۔ فوجی دستے، مسلح سوار چاروں طرف حفاظت پر مامور ہیں، اور شاہ سوریا کی بیٹی زرین رتھ پر سوار قصرِ فرعون کی طرف جارہی ہے۔

اخناتون نے پورے شاہانہ اہتمام کے ساتھ اپنی بیوی کا خیر مقدم کیا، لیکن اس کی صورت دیکھنے سے انکار کردیا۔ ہفتوں پر ہفتے گزر گئے، لیکن اخناتون کسی طرح اس پر راضی نہ ہوا کہ وہ شاہ سوریا کی بیٹی سے خلوت میں ملے۔ آخرکار ملکہ تیتی نے مجبور ہوکر اُسے شاہ سوریا کے پاس اس پیغام کے ساتھ

واپس کر دیا کہ فرعون بیمار ہے اور اس کی بیماری تعلق ازدواج کے منافی ہے۔

ٹھیک اس وقت جبکہ تادور اپنے باپ کے سامنے سوریا میں اپنی تمام داستان درد دہرا رہی تھی مصر میں ہنگامۂ جشن برپا تھا اور نفرتیتی مصر کا تاج زیب سر کئے ہوئے اخناتون کے پہلو میں حکمرانی کر رہی تھی

امنحوتپ جس نے انقلاب دینی کے بعد اپنا نام اخناتون رکھ لیا تھا۔ ۳۰ سال کی عمر تک زندہ رہا اور نفرتیتی سے سات لڑکیاں پیدا ہوئیں، جن میں سے دوسری لڑکی ایک سردار سے بیاہی گئی جس کا نام توتو تھا اور جو بعد کو توت عنخ آمون کے نام سے مشہور ہوا۔

یہی وہ فرعون تھا جس کا مقبرہ چند سال ہوئے دریافت ہوا اور عرصہ تک اخبارات میں موضوع بحث بنا رہا ——

آئندہ جنوری سنہ ۳۳ء کا نگار

ہر چند بہت زیادہ تعداد میں چھپ رہا ہے لیکن اگر آپ نے اس کی خریداری میں کچھ بھی دیر کی تو پھر اس کا ملنا محال ہے۔ اس لئے اگر آپ قدیم خریدار ہیں تو سالانہ چندہ پیشگی فوراً بھیجدیجئے اور اگر جدید خریداری منظور ہے تو بھی سے نام درج رجسٹر کرائیے

"مینیجر نگار لکھنؤ"

ایک دشمن محبت سلطنت

اخلاق انسانی میں سب سے زیادہ بلند چیز رشتۂ محبت سمجھا جاتا ہے اور اسی کو انسانیت کا مدار قرار دیا جاتا ہے، لیکن اس وقت دنیا میں ایک ایسی سلطنت وحکومت بھی ہے، جو اس جذبہ کی سخت دشمن ہے اور اس کو بیخ و بن سے فنا کر دینا چاہتی ہے۔ وہ سلطنت روس کی ہے، وہ حکومت بالشیوک ہے۔

مغرب میں اس سے قبل بھی اور اب بھی یہ رواج پایا جاتا ہے کہ جب کوئی مرد شادی کرنا چاہتا ہے تو پہلے وہ اس عورت سے ملنے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ جس کی طرف اس کو میلان ہے، پھر رفتہ رفتہ اس سے مراسم بڑھاتا ہے، اس کے ذوق کا مطالعہ کرتا ہے اور مہینوں برسوں میں جا کر کہیں وہ منزل آتی ہے جب وہ کسی خنک شب ماہ میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی التجائے محبت پیش کرتا ہے۔

لیکن بالشیوک روس جو دنیائے سعی و عمل میں اب صرف میکانکی انسان پیدا کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کے لئے طیار نہیں اور وہ کہتا ہے کہ شادی سے قبل ان تمام تمہیدات میں زندگی کے قیمتی لمحات کھو دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دیگر ممالک یوروپ میں علاوہ جذبۂ محبت کی تسکین کے ایک مقصود شادی کا یہ بھی ہوتا ہے کہ مرد اہلی زندگی کے اُس سکون کو بھی حاصل کر سکے جسے صرف عورت ہی کی محبت بھری ذات مہیا کر سکتی ہے، یعنی وہ تربیت اولاد اور انتظام خانہ داری میں عورت کو شریک بنا کر اپنی معیشت و معاشرت کی راہوں میں بھی آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے، لیکن بالشیوک روس کہتا ہے کہ کہاں کی اہلی زندگی اور کیسی عارضی تن آسانی۔ انسان ہر وقت کام کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور اس میں مرد و عورت کی کوئی تفریق نہیں۔

روس کا مرد جب کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو بغیر کسی تمہید کے نہایت صاف اور کھلے الفاظ میں اس سے کہتا ہے:-

"میں جوتا بنانے کے کارخانہ ۹۶ میں کام کرتا ہوں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بھی سلائی کے کارخانہ ۱۰ میں کام کرتی ہو اور مجموعی طور پر ہم دونوں کی ہفتہ وار اُجرت دو اشرفی ہوتی ہے۔ اس لئے بتاؤ کہ شادی کرو گی یا نہیں۔"

وہ عورت یہ سنکر بغیر اس کے کہ اس کے چہرہ پر شرم وحجاب کی سرخی نظر آئے جواب دیتی ہے:۔

"کیا تمھارے پاس کوئی مکان یا کمرہ ایسا ہے جس میں ہم دونوں رہ سکیں"

وہ کہتا ہے ـــــــ "نہیں، لیکن تمھارے پاس تو ہے اور اسی میں ہم دونوں بسر کر سکتے ہیں"

اس کے بعد ہی وہ دونوں "محکمۂ ازدواج" کے دفتر میں چلے جاتے ہیں۔ یہاں دونوں کا وزن کیا جاتا ہے طبی معائنہ ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک کاغذ پر دستخط کر دیتے ہیں جو گویا اقرار نامہ ہے اس امر کا کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ نہ جہیز ہے نہ مہر، نہ اقرار وفاداری ہے نہ خطبہ نہ کوئی پادری ہوتا ہے نہ کلیسہ۔

یوروپ کے دوسرے ممالک میں بھی فریقین کا طبی معائنہ کیا جاتا ہے لیکن صرف اس لئے کہ امراض متعدیہ نہ پھیلیں۔ مگر روس میں طبی معائنہ صرف اس اصول وغائت کے ساتھ ہوتا ہے کہ بچے مضبوط، قوی اور صحیح الاعضا پیدا ہوں۔

روس کے جوانوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ محبت ایک جذبۂ مجہول ہے، ایک کیفیت ناکارہ ہے، اس سے مغلوب ہو جانا انسانیت کی توہین اور اس کے لئے سرگرداں رہنا وقت کا ضائع کرنا ہے۔ بیوی بنانے کے لئے اس جذبہ سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ اس سے اولاد صحیح و توانا پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بالشیوک حکومت نکاح کو ضروری قرار دیتی ہے لیکن اس کا کہنا یہ ہے کہ نکاح صرف نکاح کے لئے ہونا چاہئے، نسل بڑھانے کی غرض سے ہونا چاہئے نہ کہ لذت محبت کے لئے۔

اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جو خدمات دیگر ممالک یوروپ میں عورت سے متعلق ہیں ان سے روسی عورت کو کوئی علاقہ نہیں۔ ہر جگہ عام طور پر ایک بیوی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ شوہر کے راحت و آرام کا خیال رکھے اس کے لئے کھانا پکائے، کپڑے درست رکھے گھر کا انتظام کرے، لیکن روس کی بیوی ان تمام فرائض سے آزاد ہے۔ کیونکہ جس طرح مرد گھر سے باہر نکل کر کام کرنے پر مجبور ہے، اسی طرح عورت بھی ہے اور خانگی انتظام کی صورت صرف یہ ہوتی ہے کہ مرد و عورت میں سے جو کوئی سب سے پہلے بیدار ہو وہ جلدی جلدی کام ختم کرے۔

پھر جس طرح وہاں شادی کر لینا معمولی و آسان بات ہے، اسی طرح طلاق دینا بھی دشوار نہیں، جب میاں بیوی میں کوئی ایک یا دونوں جدائی چاہتے ہیں تو محکمۂ متعلقہ میں جا کر اس کی اطلاع کر دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی اولاد ہوتی ہے تو حکومت کے سپرد کر دیجاتی ہے جو ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہے۔

وہاں فوج کے سپاہیوں کو جہاں اور عسکری تعلیم دیجاتی ہے، وہیں یہ بھی ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ

محبت سے زیادہ بُری چیز کوئی نہیں، پھر یہ کوشش اسی جگہ ختم نہیں ہوجاتی بلکہ تمام اطراف و جوانب میں مُبلّغ روانہ کئے جاتے ہیں جن کا فرض صرف یہی ہوتا ہے کہ محبت کے خلاف پروپاگنڈا کریں۔

محبت کے خلاف اپنی نفرت کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ محبت کی گزشتہ تاریخ نہایت خطرناک ہے اسی کی وجہ سے انسان مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، یہی جذبہ سلطنتوں اور حکومتوں کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور بہت سے جرائم کی بنیاد بھی یہی ہے۔

جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کا نگار

مخصوص ہوگا صرف حضرت نیاز کے **ملاحظات** کے لئے۔ یعنی پورے دس جزو میں ایک ایسا بیش بہا لٹریچر آپ کے پاس جمع ہوجائے گا کہ شاید ہی تنقیدی و ادبی حیثیت سے کوئی دوسری نظیر اس کی مل سکے۔

اس لئے

امید ہے کہ ناظرین **نگار**، اپنے حلقۂ احباب میں اس کی توسیع و اشاعت کا فرض انجام دیں گے اور جلد از جلد دفتر کو مطلع کرینگے کہ ان کی طرف سے کن کن حضرات کے نام وی پی روانہ کیا جائے۔

چندہ منی آرڈر کے ذریعہ سے بھیجنے میں آپ کو چار آنے کی بچت ہے کیونکہ وی پی میں دیکر آپ کو وصول کرنا پڑے گا۔

مینیجر نگار لکھنؤ

سرعت سیر کا مستقبل

اور

دوسرے کُروں تک انسانی پرواز

حیوان و انسان کے درمیان

پروفیسر اینڈ روز مشہور امریکن سیاح کا بیان ہے کہ وہ صحرائے گوبی میں اپنی موٹر پر جا رہا تھا کہ دفعتہ" ایک ہرن جنگل سے نمودار ہوا اور موٹر کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ موٹر کی رفتار اس وقت ۵۰ میل فی گھنٹہ تھی، لیکن تھوڑی دیر میں ہرن موٹر سے آگے نکل گیا اور رفتہ رفتہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ کیونکہ ہرن ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔

خرگوش کی رفتار کا اندازہ ۳۵ میل کیا گیا ہے اور شکاری کتے ۴۰ میل کی رفتار سے دوڑتے ہیں لومڑی اس سے بھی زیادہ تیز دوڑتی ہے اور بعض شکاریوں کا بیان ہے کہ چھوٹا ہرن ۵۰ میل کی رفتار سے بھاگتا ہے۔

چڑیوں کی پرواز ان سے زیادہ تیز ہے۔ چنانچہ حال ہی میں امریکہ کے ایک کبوتر نے ۳۰۰ میل کا سفر ۷۱ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے کیا۔ یوروپ میں ایک خاص قسم کا گدھ ہوتا ہے اس کے متعلق ایک ہوائی جہاز راں کا بیان ہے کہ ایک بار وہ اپنے جہاز پر جا رہا تھا کہ یہ گدھ مل گیا اور دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گدھ ۱۱۰ میل کی رفتار سے اڑنے لگا اور جہاز سے آگے بڑھ گیا۔

ایک بار ایک ابابیل کو اس کے گھونسلہ سے نکال کر کسی دوسرے مقام پر جو ۱۴۸ میل دور تھا لے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔ یہ ایک گھنٹہ ۸ منٹ میں پھر اپنے گھونسلہ میں داخل ہو گئی یعنی اُس نے ۱۳۴ میل کی رفتار سے اپنا سفر طے کیا۔

اب ان چوپایوں اور چڑیوں کے مقابلہ میں انسان کے عضلات کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ بہت ضعیف ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ تیز چلنے والا فنلینڈ کا ایک شخص ہے جو ۱۴ میل فی گھنٹہ کے حساب سے چل سکتا تھا۔ البتہ اگر انسان اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہو تو ۱۶ میل فی گھنٹہ طے کر سکتا ہے اور گھوڑے پر ۴۰ میل۔ پانی کے اندر وہ ڈھائی میل سے زیادہ نہیں جا سکتا، درانحالیکہ بڑی سی بڑی مچھلی دس میل جاتی ہے۔ البتہ اگر برف پر انسان پھسلے تو ۲۰ میل کی رفتار سے جا سکتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ وہ اپنی دماغی ترقی سے ایسے میکانکی

ذرایع ضرور پیدا کر لیتا ہے جو اس کے عضلات کی کمزوری کی پوری تلافی کرنے والے ہیں۔ چنانچہ سیگریو کا ۲۳۱ میل کی رفتار سے ساحل فلوریڈا پر موٹر چلانا، پھر کپتان کیمبل کا اس رفتار کو ۲۴۶ میل تک بڑھا دینا اسی طرح ہوائی جہاز کو اسٹنفورٹ کا ۴۰۷ میل کی رفتار سے لے جانا، یہ سب ایسی شہادتیں ہیں جن کو دیکھکر انسانی سرعت رفتار کے مستقبل کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تاریخ سرعت

اس میں شک نہیں کہ انسان کی یہ سرعت رفتار نہایت تدریج کے ساتھ اور کافی مدت میں ہوئی ہے۔ انجن سے پہلے صرف معدنوں کے اندر سے پانی کھینچنے کا کام لیا جاتا تھا اور کامل ایک صدی کے بعد خیال اس طرف منتقل ہوا کہ اگر انجن کسی گاڑی میں لگا دیا جائے تو اس کی رفتار بڑھ سکتی ہے۔ اول اول لوہے کی پٹریوں پر گھوڑوں کے ذریعہ سے گاڑیاں کھینچی جاتی تھیں اور جب کامل دو صدیاں گزر گئیں تو انجن لگانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلی گاڑی جو دخانی انجن سے چلائی گئی وہ ۱۸۰۴ء میں بمقام ویلز چلائی گئی جس کی رفتار ۵ میل فی گھنٹہ تھی۔ ۵ سال تک اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی حتی کہ ایک کمپنی قائم ہوئی اور اس مسئلہ پر غور کیا گیا۔

بات یہ ہے کہ اول اول لوگ سرعت رفتار کے خیال سے ڈرتے تھے، چنانچہ اُس وقت کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ "معمولی گاڑیوں کی رفتار سے دو چند رفتار کی برداشت محال ہے اور اگر تیزی کا ایسا ہی شوق ہے تو ہوائی میں بیٹھ کر کیوں نہ سفر کیا جائے"۔ اسی خوف کا نتیجہ تھا کہ پارلیمنٹ نے نہایت مشکل سے لورپول اور منچسٹر کے درمیان ریل کی پٹری بچھانے کی اجازت دی۔

ہر چند جارج اسٹونسن نے ایک دخانی گاڑی چلا کر تجربہ کرا دیا تھا، لیکن لوگوں کو اطمینان نہ تھا اور ایک شخص لارڈ ڈنز نامی نے تو اپنی تقریر میں صاف صاف کہہ ہی دیا کہ دس میل سے زیادہ اگر گاڑیاں چلائی گئیں تو وہ وہیں ٹھیر کر رہ جائیں گی کیونکہ پہیے اس رفتار میں صرف اپنے محور ہی پر چکر کھا کھا کر رہ جائیں گے اور آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ الغرض اسٹونسن کے اس خیال پر کہ ۲۰ میل کی رفتار سے کسی گاڑی کا چلنا ممکن ہے۔ لوگ اُسے پاگل ہی سمجھتے رہے۔ آخر کار اُس نے مجبوراً ۲۰ کا نام لینا ہی چھوڑ دیا اور صرف بارہ میل کہنے لگا۔ اس پر بھی ارکان پارلیمنٹ کو یقین نہ آتا تھا۔ آخر کار ہزاروں دقتوں کے بعد ایک ریلوے کمپنی قائم ہوئی اور ایک انعام ۵۰۰ گنی کا اس مخترع کے لئے مقرر کیا گیا جو دس میل فی گھنٹہ کے رفتار سے ۳۰ میل تک گاڑی کو لے جا سکے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۸۲۹ء میں دس ہزار آدمیوں کے مجمع میں پانچ ادمیوں نے اپنی اپنی ریل گاڑیاں پیش کیں انھیں میں سے ایک اسٹونسن بھی تھا۔

اسٹونسن کے انجن کا نام راکٹ یعنی ہوائی تھا جس میں کئی گاڑیاں لدی ہوئی لگا دی گئی تھیں۔

آخرکار مقابلہ ہوا اور اس کے انجن نے ۱۵ میل کی رفتار سے راستہ طے کیا۔ اس کے بعد اسٹونسن نے انجن علیحدہ کرکے اس کی رفتار کا تجربہ کرایا۔ چنانچہ پہلے وہ دس میل کے رفتار سے لے گیا۔ پھر پندرہ میل کی رفتار سے حتیٰ کہ ۳۵ میل تک رفتار بڑھ گئی۔

لوگ حیران تھے کہ یہ کیا طلسم ہے اور کیونکر اتنی تیز رفتار کو لوہے کی پٹریاں اور پہیے برداشت کرسکتے ہیں، مگر چونکہ یہ ایک واقعہ تھا جو ان کی نگاہوں سے گزر رہا تھا اس لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی اور سب خاموش تھے۔ امریکہ میں بھی تقریباً اسی تدریج کے ساتھ ریل کی ترقی ہوئی۔

موٹر اور ہوائی جہاز

اس کے بعد وہ دور آیا جب انجن کی تیزی رفتار کی طرف خاص توجہ کی گئی اور رفتہ رفتہ اتنی ترقی ہوئی کہ ۱۹۰۱ء میں ایک خط مستقیم پر پورے ۱۲۰ میل کا راستہ ایک گھنٹہ میں طے کیا گیا۔

موٹر کی ایجاد کے وقت اس قسم کی دشواریاں پیش نہیں آئیں اور ہنری فورڈ نے ۱۹۰۱ء میں اپنا سب سے پہلا موٹر پیش کیا جس کی رفتار ۴۵ میل تھی۔ اس کے بعد ۱۹۰۳ء میں فورڈ نے اعلان کیا کہ اس کا جدید موٹر ۹۰ میل کی رفتار سے جا سکتا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی ساری دنیا اس طرف متوجہ ہوگئی اور تمام کارخانوں نے کوشش کی کہ اس مسابقت میں بازی لے جائیں، چنانچہ ۱۹۱۰ء میں یہ رفتار ۱۳۱ میل تک ہوئی ۱۹۲۰ء میں ۱۵۶ میل، ۱۹۲۶ء میں ۱۷۰ میل، ۱۹۲۷ء میں سیگریو ۲۰۰ میل کی رفتار سے گیا، ۱۹۲۸ء میں ایک اور شخص ۲۰۸ میل لے گیا۔ ۱۹۲۹ء میں پھر سیگریو نے مقابلہ کیا اور ۲۳۱ میل کی رفتار سے اپنے موٹر کو لے گیا۔ لیکن ابھی تیزی کی انتہا نہ ہوئی تھی کیونکہ اس کے بعد ایک اور شخص کمبل نامی رونما ہوا اور ۲۴۳ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے موٹر کو لے گیا۔

پھر انسان نے سرعت سیر میں صرف وحوش ہی کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ طیور کے سامنے بھی آیا اور ان کو بھی بڑی حد تک شکست دی۔

سب سے پہلے ۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اورویل ریٹ ایک ایسے طیارہ میں بیٹھکر اُڑا جو ہوا سے زیادہ بھاری تھا اور اس نے ۶ میل فی گھنٹہ کے حساب سے راستہ طے کیا۔ لیکن ۱۹۰۵ء میں یہی شخص ۳۶ میل کی رفتار سے اڑا اور ۱۹۰۸ء میں ۴۴ میل کے حساب سے۔ اس کے بعد ۱۹۰۹ء میں امریکہ کے ایک شخص نے ۴۷ میل کے حساب سے پرواز کی، ۱۹۱۲ء میں یہ رفتار ۱۱۲ میل تک پہونچ گئی اور گزشتہ جنگ کے بعد ۱۷۰ میل تک۔

مائی طیاروں (پانی پر دوڑنے والے طیارے) میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور ۱۹۱۳ء سے لیکر

۱۹۳۱ء تک ان کی رفتار ۴۵ میل سے ۴۱۵ میل تک پہونچ گئی۔

مستقبل اب سوال یہ ہے کہ کیا انسان نے اپنی سرعت سیر میں انتہائی ترقی کرلی ہے اور اب اس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا؟۔ کاہم کا بیان ہے کہ تجارتی ہوائی جہازوں کا ۳۰۰ میل فی گھنٹے کے حساب سے سفر طے کرنا مستقبل قریب میں ہر شخص دیکھ لیگا۔ پروفیسر لو کا خیال ہے کہ مستقبل میں یہ سرعت ۵۰۰ میل تک بڑھ جائے گی۔ بالمر یو یقین کرتا ہے کہ دس سال میں یہ سرعت ۷۰۰ میل تک پہونچ جائے گی اور مسٹر ہلینڈ کہتے ہیں کہ ۱۹۵۰ء تک اس رفتار کا ایک ہزار میل فی گھنٹہ تک پہونچ جانا یقینی ہے۔ گویا اس کے معنے یہ ہیں کہ جب سرعت سیر اس حد تک پہونچ جائے گی تو وہ دور طیاروں کا نہ ہوگا۔ بلکہ ہوائیوں کا ہوگا

اس سلسلہ میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا انسان اس سرعت سیر کو برداشت کرسکتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر اڈنگٹن کا بیان ہے کہ انسان فی الحال زمین کے ساتھ ساتھ بحساب ۲۰ میل فی سکنڈ آفتاب کے گرد گردش کر رہا ہے اور اگر اُس سلسلۂ کہکشاں کو دیکھا جائے جس میں ہمارا نظام شمسی شامل ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ ۲۵ میل فی سکنڈ کے حساب سے چکر کھا رہا ہے۔ اس لئے یہ سوال فضول ہے کہ انسان سرعت سیر کو برداشت کرسکتا ہے یا نہیں۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ بہت بلند فضا میں درجۂ حرارت صفر سے نیچے ہے اور وہاں کی ہوا بھی نہایت لطیف ہے جو انسان کی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتی، سو اس کا انتظام نہایت آسان ہے، اور ایسے بند کمرے ہوائی جہازوں میں بن سکتے ہیں جہاں درجۂ حرارت اور کثافت ہوا دونوں انسان کے بقائے حیات کے لئے قائم رہ سکیں۔

الغرض سرعت سیر کی حرص جو انسان میں پیدا ہوئی ہے وہ اب کسی طرح مٹ نہیں سکتی اور وہ زمانہ آنے والا ہے جب انسان کی سرعتِ سیر کشش زمین پر غالب آجائے گی اور وہ کرۂ ارض سے دوسرے کروں تک پرواز کرکے جا سکے گا۔

مثنوی لالہ رُخ

طامس مور کی معرکۃ الآرا مثنوی کا مکمل ترجمہ ادبی شاہکار کا بے مثل نمونہ قیمت معہ محصول عہ

منیجر نگار لکھنؤ

باب الاستفسار

(علی اختر اور جوش کی شاعری)

(جناب ابو تراب محمد احمد صاحب (عثمانیہ) حیدر آباد دکن)

براہ کرم جوش اور علی اختر کی شاعری کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرما کر ممنون کیجئے اور یہ متعین کیجئے کہ ان دونوں کی شاعری میں کیا فرق ہے۔

(نگار) اس بار حیدر آباد آنے کے ایک ہفتہ بعد ہی یہ استفسار مجھ تک پہونچ گیا تھا، لیکن میں اس کے جواب کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ میرے پاس ان دونوں حضرات کے کلام کا کوئی مجموعہ موجود نہیں اور دفتر سے دور ہونے کے باعث میں نگار کے گزشتہ پرچوں سے بھی استفادہ نہ کر سکتا تھا۔ یہی عذر اب بھی موجود ہے لیکن چونکہ مستفسر کا تقاضہ شدید ہے اس لئے بغیر کسی تفصیل کو سامنے رکھے ہوئے مجملاً اپنی رائے پیش کئے دیتا ہوں۔

قبل اس کے کہ میں ان دونوں کی شاعری پر مقابلتاً اظہار خیال کروں یہ متعین کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی شاعری کا مقابلہ اصولاً صحیح بھی ہے یا نہیں یعنی یہ دونوں حضرات ایک ہی رنگ کے شاعر ہیں یا نہیں اور اُن کے مقصود شعری میں اتنا تفاوت تو نہیں ہے کہ مجھے زاویۂ نگاہ بالکل بدلنا پڑے۔

جوش کی شاعری یا بہ حیثیت شاعر اُن کے روشناس خلق ہونے کی تاریخ غالباً ۲۲ء سے شروع ہوتی ہے جب اول اول ان کی غزلیات، منظومات و منثورات کا باتصویر مجموعہ روح ادب کے نام سے شایع ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کتاب کا ذکر اب جوش صاحب کو بھی کھلتا نہ معلوم ہو، لیکن میرے لئے اس کا بیان ناگزیر ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ جوش کی شاعری نے تدریجاً کتنی ترقی کی ——

ہر چند جس وقت یہ مجموعہ شایع ہوا ہے، جوش صاحب اس وقت بچہ نہ تھے بلکہ ریعان شباب سے بھی گزر چکے تھے، لیکن اس مجموعہ میں بہت کچھ نشانیاں بچپن کی موجود تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ان کو بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ایک طرف ٹیگور کو اس کی کتاب گیتان جلی پر نوبل پرائز مل چکا تھا اور ہندوستان میں اس کے طرز بیان پر ہر جگہ سر دھنا جا رہا تھا۔ دوسری طرف اقبال کی نظموں نے نوا تسے ترکیب و جدت بیان کی طرف ذہین دماغوں کو متوجہ کر دیا تھا۔ ہر چند ٹیگور کی گیتان جلی اور اقبال کی نظموں میں لوگوں کو جو بات جدید و لذیذ معلوم ہو رہی تھی وہ حقیقتاً دنیا میں کوئی نئی چیز نہ تھی کوئی ابداع و اختراع نہ تھا بلکہ ایک پرتو تھا ادب متقدم، کا اک نقش خام تھا سورداس و بیدل کے انداز بیان کا، لیکن چونکہ تعلیم جدید کا نصاب لوگوں کو اس کا موقعہ ہی نہیں دیتا کہ وہ اپنی اپنی کلاسکس کی طرف متوجہ ہوں، اس لئے ہندو، سورداس کی اہمیت سے ناواقف اور مسلمان بیدل کے مرتبہ سے بے خبر یہی باور کرنے لگا کہ ٹیگور و اقبال اپنے اپنے طرز ادا میں مخترع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر حال میں اس کو بھی قدرت کی عنایت سمجھتا ہوں کہ جو لوگ خود متقدمین کے خیالات سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے ان کے لئے وہ درمیانی کڑیاں ایسی پیدا کر دی گئیں ہیں جو حال کو سورداس و بیدل کے اس زمانہ سے ملا دینے والی تھیں جس کو بہ لحاظ رفعت خیال، و بداعت تخیل بجائے ماضی کے ازل کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

منجملہ ان بہت سے ذہین نوجوانوں کے جن کے سوئے ہوئے جذبات کو ٹیگور و اقبال نے بیدار کیا ایک جوش بھی تھے اور ہر چند جوش نثر نگاری کے لحاظ سے کسی قابل ذکر منزل تک نہ پہونچ سکے کیونکہ فطرت ان کے لئے اتنی فیاض ثابت نہ ہوئی کہ نظم و نثر دونوں کی اہلیت تامہ ان میں پیدا کر دیتی لیکن یہ واقعہ ہے کہ اقبال کی شاعری نے جوش کے جذبات شاعرانہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک چنگاری گھاس کے خشک ڈھیر کے ساتھ کر سکتی ہے۔

جوش فطرتاً نثر لکھنے کے لئے پیدا نہ ہوئے تھے اس پر روح ادب کے منثورات کا ہر فقرہ شاہد ہے کہ باوجود سعی و کاوش وہ ناقص تتبع بھی ٹیگور کا نہ کر سکے، جوش قدرتاً آرٹ کا صحیح درک نہ رکھتے تھے اس پر روح ادب کی وہ تصویریں گواہ ہیں جو ذوق صحیح کا خون کرنے کے لئے اس میں شامل کی گئی تھیں۔ لیکن جوش شاعر پیدا ہوئے تھے، اس کا ثبوت یقیناً روح ادب سے ملتا تھا اور اس کے ہر ہر شعر سے ملتا تھا۔

روح ادب میں غزلیں بھی تھیں اور نظمیں بھی، لیکن ان میں ہر چیز اپنی جگہ دل کو متوجہ کرنے والی تھی اور غزلگوئی و نظم نگاری کے پامال راستہ سے علیحدہ ہٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہر چند جوش جوار لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ سے ان کا خاندان وابستۂ ملازمت بھی رہا، لیکن روح ادب میں ان کی شاعری بہت کم اس سخافت و رکاکت سے آلودہ نظر آتی ہے جو فرمانروایان

اودھ اور خصوصیت کے ساتھ "جان عالم پیا" کی عیش کوش و اخلاق کُش حکومت میں سرزمین اودھ کے باشندوں کا خمیر ہو گئی تھی۔

گو روح ادب میں اور نہ اس کی اشاعت کے بعد سے لیکر اس وقت تک کوئی غزل جوش کی ایسی نظر نہیں آئی جس کو صحیح معنے میں غزل کہا جا سکے لیکن میں اس کو فطرت کا بڑا معجزہ سمجھتا ہوں کہ لکھنوی ہونے کے باوجود جوش کے تغزل میں وہ سخافت و رکاکت نہیں پائی جاتی جو لکھنوی شاعری کا عنصر اصلی ہے۔ یقیناً جوش کی غزلوں میں وہ درد و تاثر نہیں پایا جاتا جو تغزل کی جان ہے، ان کا تغزل اس سوز و برگ سے محروم ہے جو غزل کو زبان عشق و محبت بنا دیتا ہے، لیکن ان کے یہاں وہ سرمہ مسی، وہ کنگھی چوٹی وہ نخرہ، وہ زنانہ پن بھی نہیں ہے جو لکھنوی غزلگوئی کی خصوصیت خاصہ ہے۔ جوش کی غزلوں میں تشبیہات و استعارات بھی ہیں، لیکن رنگ مستی لئے ہوئے مبالغہ و تصنع بھی ہے لیکن ایک خاص کیفیت جوش کے ساتھ اور یہی سبب ہے کہ اگر ان کی ادنیٰ سی ادنیٰ غزل لکھنوی معائب سے پاک ہے تو انکی بہتر سے بہتر غزل بھی ایک نظم کے حدود سے آگے نہیں بڑھتی جہاں اس کا مرتبہ یقیناً کافی بلند نظر آتا ہے۔

میں نے روح ادب کے مطالعہ کے بعد ہی حکم لگا دیا تھا کہ اگر جوش نے صرف غزلگوئی کو اپنا شعار قرار دیا تو ان کیلئے میدان زیادہ وسیع نہیں ہے اور اگر منظومات کی طرف توجہ کی تو انکا مستقبل یقیناً شاندار ہے۔ چنانچہ فطرت نے انکی صحیح رہنمائی کی اور رفتہ رفتہ انکی غزلگوئی کم ہونے لگی۔ یہ تھا جوش کی شاعری کا اولین دور جو روح ادب کے ساتھ پیدا ہوا اور اسی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اُن کی شاعری کا دوسرا دور وہ ہے جس میں انھوں نے زیادہ تر محاکات کی شاعری کی اور مناظر کے ساتھ ساتھ جذبات محبت کی چاشنی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس میں کلام نہیں کہ اس دور میں جوش نے جتنی نظمیں لکھیں وہ نہایت پاکیزہ تھیں لیکن افسوس ہے کہ اس رنگ کی انتہائی منزل تک پہونچنے سے قبل ہی وہ حیدرآباد آ گئے جو ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز نمائش جاہ و ثروت (Aristocracy) کا ہے۔ جوش صاحب یا ان کا خاندان چونکہ خود بھی کسی زمانہ میں اعیان و اشراف اودھ میں شامل تھا اور امارت و دولت کی بو اُن کے دماغ میں ہنوز باقی تھی اس لئے حیدرآباد کے یہ مناظر تنعم و تعیش دیکھکر اُن کو بہت سے بھولے ہوئے خواب یاد آ گئے، بہت سی خوابیدہ تمنائیں اُن کی بیدار ہو گئیں اور اُن کا وہ رنگ شاعری جو مایوسی کے بعد ترک تمنا کی حالت میں صرف قدرت و مناظر قدرت سے متعلق ہو گیا تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

اگر جوش صاحب کی وہ تمنائیں جنکا یہاں آنے کے بعد نیا نیا حشر ہوا تھا پوری ہو جاتیں تو ان کی شاعری یقیناً ختم ہو جاتی۔ اور اگر ختم نہ ہوتی تو یقیناً وہ صرف اس سطح پر آ جاتی جسے شراب کی کیفیت نہیں بلکہ صرف

شراب کے بلبلوں سے تعلق ہوتا ہے، لیکن چونکہ ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور دنیا باندازۂ تمنا اُن پر وسیع نہ ہو سکی اس لئے ان میں جذبۂ انتقام پیدا ہوا اور دولت و سرمایہ داری کے خلاف اُنھوں نے لکھنا شروع کیا کاشکے جو کچھ وہ لکھتے ہیں وہی انکا ایمان و اعتقاد ہوتا، وہی ان کی روح کا پیغام ہوتا۔ لیکن ایک وہ کیا ہم سب کی یہی حالت ہے اور ایک قوم کے انتہائی دورِ انحطاط میں جو روباہ وشی پیدا ہو جاتی ہے اس سے نہ ہمارے یہاں کوئی مصنف خالی ہے، نہ مولف، نہ شاعر بچا ہوا ہے نہ مغنی۔

یہ تو ایک عمومی تبصرہ ہوا ان کے مختلف ادوار شاعری کے متعلق اب رہا یہ امر کہ فنِ شعر کے لحاظ سے ان کا کیا مرتبہ ہے، اس کے متعلق بھی چند سطریں لکھنا ضروری ہیں۔ غزلوں کے متعلق میں پہلے ہی اپنا خیال ظاہر کر چکا ہوں کہ ان میں والہانہ جوش، انداز مستی ضرور پائی جاتی ہے، مگر وہ سوز و تاثر جو تغزل کی جان ہے ان کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ اس لئے اُن کی غزلگوئی صرف حافظ کے حدود تک رہ جاتی ہے اور وہاں سے گزر کر سعدی تک نہیں پہونچتی۔ اُن کی محاکاتی و منظری شاعری جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں بہت پاکیزہ ہے اور خصوصیت کے ساتھ ان کی وہ نظمیں جو انگریزی خیالات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں نہایت ہی لطیف ہیں لیکن قبل اس کے کہ وہ اس رنگ میں ایک ذہن خلاق کے درجہ تک پہونچتے قومی و اشتراکی شاعری کی طرف متوجہ ہو گئے اور ابھی اس میں پختگی پیدا نہ ہوئی تھی کہ رباعیات کی جانب انہماک پیدا ہوا جو یکسر خیام کی تقلید ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ قدرت نے جوش کو نابغہ پیدا کیا۔ اک ذہن خلاق کی تمام اہلیتیں ان میں ودیعت کر دیں، لیکن اس دل و دماغ کے ساتھ ہی ساتھ آنکھیں ایسی دیدیں جو صرف طلسم آب و رنگ سے لطف اٹھانے والی تھیں یہی سبب تھا کہ ہر منظر و ماحول کے ساتھ ان کی شاعری کا رنگ بدلتا رہا اور قبل اس کے کہ ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے نکلنے والی کوئی ایک صدا بلند ہو کر فضا میں پوری طرح گونجتی ان کے ذوقِ نظر نے اس کو دبا دیا اور دوسری کیفیت میں محو ہو کر رہ گئے۔

دنیا میں نابغہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جنکے تمام احساسات کا میلان ایک ہی مرکز کی طرف ہوتا ہے، ایک ہی آواز اُن کے منھ سے نکلتی ہے اور ایک ہی منزل کی طرف اُن کے قدم اُٹھتے ہیں یعنی اُن کی روح کا ایک ہی پیغام ہوتا ہے، ان کے قلب کی ایک ہی صدا ہوتی ہے اور ان کا سازِ ہستی تمام ہم آہنگیوں کے ساتھ ایک ہی نغمہ بلند کرتا ہے۔ دوسری قسم نابغہ کی وہ ہے جس کی قوت ادراک عام سطح سے تو بہت بلند ہوتی ہے، جس کے احساسات یوں تو نہایت لطیف و نازک ہوتے ہیں مگر اُن میں وزن کم ہوتا ہے اور تنوع زیادہ، ولولہ و نشاط زیادہ ہوتا ہے اور خواہش فکر و تامل کم، ان کے دلوں میں درد ہوتا ہے، ان کی روحیں غم آلود ہوتی ہیں مگر وہ چاہتے یہ ہیں کہ جب تک سطح آب و رنگ سے لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ اس درد و غم کو بھلا دیا جائے تو

بہتر ہے اور جس وقت تک ظاہری شیرینی لذت کام و دہن بنی ہوئی ہے، اندرونی تلخیوں سے جس قدر کم سروکار رکھا جائے مناسب ہے وہ تماشہ گاہ عالم میں اپنے غم سے ہلاک ہو کر مایۂ اعتبار و بینش بننا نہیں چاہتے بلکہ اس مغموم ایکٹر کا سا پارٹ ادا کرنا چاہتے ہیں جو تھپیڑ کھانے کے بعد بھی ہنسنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس لئے اول الذکر نابغہ تو وہ ہے جو اپنے اندوہ احساس میں فنا ہو کر دنیا میں ایک پرستش گاہ اپنے بعد چھوڑ جاتا ہے اور موخر الذکر دنیا کی ظاہری حالت سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان ہیکلوں کو بھی مٹا جاتا ہے۔ جنھیں وہ اپنے دل و دماغ میں اس پس و پیش کے ساتھ لئے پھرتا ہے کہ ان کو دنیا کے سامنے لاؤں یا نہ لاؤں۔

جوش اسی دوسری قسم کے نابغہ ہیں اور اگر قدرت نے ان کے حالات میں کوئی مستقل کیفیت ادھر یا اُدھر پیدا نہ کی تو مشکل سے وہ کسی ایک رنگ پر قائم رہ سکتے ہیں، اور فطرت کی بہت سی ذہنی ودیعتوں کا یونہی رائگاں چلا جانا یقینی ہے۔ جوش اگر بادشاہ ہو کر اپنی ان تمام تمناؤں کو پورا نہیں کر سکتے جن کی حسرت میں اُنھوں نے اپنی جوانی گنوائی ہے اور جس کا انتقام وہ زمانہ سے صرف اسی طرح لے سکتے ہیں کہ اپنے آقا نامدار واجد علی شاہ کی سنت دیرینہ کو پھر از سر نو زندہ کر دیں، تو ان کو مایوس ہو کر وہ زندگی اختیار کرنا چاہیے جو بظاہر بہت تلخ و ناگوار ہے، لیکن ان کی فطرت کی حقیقتوں کا راز اسی میں پنہاں ہے۔

وہ دولت و سرمایہ داری کی مخالفت اس لئے نہ کریں کہ وہ خود اس سے محروم ہیں، وہ درس آزادی اسلئے نہ دیں کہ جاہ و ثروت سے انتقام لینے کی یہ بھی ایک صورت ہے، وہ صاحبان جبہ و عمامہ، ذاکران مجلس اور خانقاہ نشینوں کی برائی اس بنا پر نہ کریں کہ ان کی دنیاوی آسودگی پر اُنھیں رشک آتا ہے بلکہ وہ اپنے حال سے اپنے اخلاق سے، اپنی زندگی سے یہ ثابت کریں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اُن کے دل کی آواز ہے، ان کے روح کا پیام ہے اور ان کی فطرت کا تقاضہ ہے۔ ورنہ یوں آزادی کا درس دیتے ہوئے خود غلامی کی زندگی بسر کرنا صاحبان دولت و جاہ کی برائیاں کرتے ہوئے خود اُن کے سامنے دست سوال پھیلانا اور علمبرداران مذہب کے خلاف آتش بیانیاں دکھاتے ہوئے خود ایسے ہی اخلاق ذمیمہ میں مبتلا رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

بہرحال جوش اس میں شک نہیں کہ نابغہ ہیں لیکن دوسرے درجہ کے وہ فضائے شاعری کے اختر تابندہ ہیں مگر "قدر اول" کے نہیں — ان کی زبان میں حلاوت ہے، اُن کے الفاظ میں عذوبت ہے، اُن کی

ترکیبوں میں دلکشی و ندرت ہے، اُن کی فکر و جستجو میں ابداع و اختراع ہے، ان کے انداز بیان میں جوش و مستی ہے، لیکن دردِ حقیقت سے خالی، دل کی تڑپ سے معرا، روح کے سوز سے نا آشنا اور پیام صداقت کی ہیبت و جلال سے محروم!

علی اختر صاحب کی شاعری کا علم مجھے جوش کے منصۂ شہود پر آنے سے تقریباً ۴ سال قبل اول اول غالباً ۱۹۱۶ء میں ہوا تھا جب یادش بخیر مولانا ہوش کا ذخیرہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری تھا۔ اُن کی سب سے پہلی نظم جو میں نے دیکھی وہ "بہار کے آخری پھول" پر تھی۔ میں نے غور کیا کہ کہیں یہ انگریزی کی مشہور نظم (Last Rose of Summer) کا ترجمہ تو نہیں ہے، لیکن معلوم ہوا کہ اس سے بالکل علحدہ کوئی اور چیز ہے۔ ہر چند یہ وہ زمانہ تھا جب میں خود بھی تنقید کا اہل نہ تھا تاہم اس نظم کے پڑھنے کے بعد میں نے یہ اندازہ ضرور کر لیا تھا کہ شاعری کے اسٹیج پر ایک اور ایکٹر حزن و ملال کا پارٹ ادا کرنے کے لئے طیار ہو رہا ہے۔ اس کے بعد تیرہ سال کا طویل زمانہ گزر گیا اور میں بالکل بے خبر رہا کہ اختر کون ہیں اور ان کا رنگ شاعری کیا ہے۔ پھر ۱۹۲۹ء میں ان کی ایک نظم نگار میں شایع ہونے کے لئے مجھے موصول ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ میں اس نظم کو پڑھکر دیر تک سوچتا رہا کہ یہ کیسی آواز ہے، یہ شخص کون ہے جو اس صدا سے پکار رہا ہے۔ اس کے دل میں کیا ہے جو کہنا چاہتا ہے۔ معاً میرا خیال مجھے اسی "بہار کے آخری پھول" کی طرف لے گیا اور میں خوش ہوا کہ جو پیشین گوئی میں نے کی تھی وہ بڑی حد تک صحیح نکلی۔

اس کے بعد سے اس وقت تک برابر نگار میں جناب اختر کی نظمیں شایع ہو رہی ہیں اور اہل نظر سے مخفی نہ ہوگا کہ ان کی اور جوش کی شاعری میں کیا فرق ہے۔ میں اس فرق کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

پہلا فرق تو یہ ہے کہ جوش کی شاعری کی ابتدا غزل سے ہوتی ہے اور اختر کی نظم سے، اختر کی سب سے پہلی نظم ۱۹۱۶ء میں پبلک کے سامنے آتی ہے اور اک مستقل کیفیت لیے ہوئے جوش اس کے ۴ سال بعد روح ادب کے ذریعہ سے رونما ہوتے ہیں اور اس طرح کہ ان کے متعلق یہ کہنا دشوار ہوتا ہے کہ آئندہ چلکر انھیں کیا بننا ہے۔ جوش کی شاعری کا اولین مظاہرہ رنگینی و مستی کے ساتھ ہوتا ہے اور اختر کا حزن و ملال کے ساتھ، جوش کی شاعری تغزل سے گزر کر مناظر و محاکات پر آتی ہے اور پھر قومیاتی و اصلاحی رنگ اختیار کر کے ہزل و ہجا کی صورت اختیار کر لیتی ہے، برخلاف اس کے اختر کی شاعری کا حزن و ملال ترقی پاکر اک ایسا احساس درد بن جاتا ہے جس کا تعلق فرد سے نہیں بلکہ جماعت سے ہے۔ جوش نے بھی ملک و قوم کے

اسی دورِ انحطاط میں آنکھ کھولی جو اختر کے سامنے تھا، لیکن فرق یہ ہے کہ ایک نے اس سے بےخبر رہکر نیرد کی طرح نغمۂ شاعرانہ چھیڑا اور دوسرے نے موکیر کی طرح اپنے آپ کو اسی دردِ احساس کے لئے وقف کردیا۔

اس میں شک نہیں کہ بعض بعض نظمیں جوش کی بھی ایسی ہیں جن سے ان کی فکر کی گہرائی، تخئیل کی بلندی غیر معمولی طور پر ثابت ہوتی ہے، لیکن غور سے دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ اخیر میں یا تو وہ بالکل "انفرادی" احساس کی چیز ہو کر رہگئی ہیں، یا شاعر کے خیال نے آہستہ آہستہ ایسی صورت اختیار کرلی ہے جیسے کوئی تھک کر سایہ میں آرام لینے لگے۔ برخلاف اس کے اختر کی تمام نظمیں فکرِ عمیق کا نتیجہ ہیں اور ان کی نظم کا ہر شعر ایک کے بعد دوسرا عمیق تر ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ خود بھی اس کے اندر گم ہوجاتے ہیں۔ جوشؔ کی بعض نظمیں ایسی بھی ہیں جن کو اُنھوں نے اختر کے نقطۂ خیال سے شروع کیا ہے، لیکن جوش تھوڑی دور تک گہرائی میں جانے کے بعد ہاتھ میں کچھ گل و ریاحین لئے ہوئے باہر نکل آتے ہیں اور اسی کو معراج کمال سمجھتے ہیں، لیکن اختر کی غواصی برابر قائم رہتی ہے یہاں تک کہ کوئی موتی ان کے ہاتھ نہ آجائے۔

جوشؔ بھی کبھی کبھی حیاتِ انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن اس میں "انفرادی" حیثیت زیادہ نمایاں ہوتی ہے، برخلاف اختر کے کہ ان کی نظر ہمیشہ اجتماعی پہلو پر جاتی ہے اور اس سے کوئی نظم خالی نہیں ہوتی۔

جوشؔ کی قومی یا اصلاحی نظموں میں ایک خشونتِ انتقام ہے، لیکن اختر کی نظموں میں کیفیت التیام۔ اُن کے پیام میں جرح وطعن ہے اور اِن کے پیام میں لینت و رافت، ان کے یہاں غصہ ہے ان کے یہاں محبت وہ تخریب چاہتے ہیں اور یہ تعمیر اور اس طرح جو اخلاقی فرق ان دونوں کی شاعری میں پیدا ہو گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب مستقبل میں تعمیرِ قومیت و وطنیت کی تاریخ مرتب کیجائے گی تو اس میں اختر ہی کا نام زیادہ نمایاں و روشن نظر آئے گا۔

اب جوشؔ کے درمیانی دور اور زمانۂ حال دونوں کی نظموں کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ اب جوشؔ کی حالت اس طایر کی سی ہے جو اڑتے اڑتے تھک گیا ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ کس وقت وہ تھک ہار کر زمین پر آرہے، برخلاف اس کے اختر کا شہبازِ فکر یکساں طور پر بلندی کی طرف اڑتا چلا جارہا ہے اور یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہ کہاں جا کر دم لے گا۔

اس میں شک نہیں کہ جوشؔ بھی اختر کی طرح کبھی کبھی کائنات کی بعض تلخ حقیقتوں سے بحث کرتے ہیں، لیکن دونوں کے اندازِ بیان اور مقصود میں بہت فرق ہے، وہ دنیا کے سامنے منظرِ عبرت و

انتباہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور یہ درسِ بصیرت و تحمل، اُن کے یہاں غم ایک نیش ہے، اِن کے یہاں نوش وہ اس سے احتراز کا درس دیتے ہیں، اور یہ اس کو گوارا کرلینے کا

جوش کی شاعری میں حلاوت و شیرینی زیادہ ہے۔ اور اختر کی شاعری میں وزن و گرانمائگی جوش کی شاعری ایک ایسا حسن صبیح ہے جو اول اول تو آنکھوں کو خیرہ کرکے دل کو ضرور بے چین بنا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کا اثر زائل بھی ہو جاتا ہے، لیکن اختر کی شاعری ایک حسن ملیح ہے جس کا اثر اول اول تو زیادہ محسوس نہیں ہوتا لیکن بعد کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو ایک تیر تھا جو دل میں ترازو ہو گیا ہے اور جس کا نکالنا کسی طرح گوارا نہیں۔ علاوہ اس کے فن کے لحاظ سے بھی اختر کا مرتبہ بلند تر ہے، کیونکہ جوش کے یہاں نہ صرف معانی و بیان اور عروض و قافیہ کی غلطیاں پائی جاتی ہیں، بلکہ الفاظ و تراکیب کے نادرست استعمال کی بھی۔ اختر کے کلام میں ایسی غلطیاں شاذ نکلیں گی۔ عدم توازن دونوں کے کلام میں کہیں کہیں پایا جاتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ اختر کے یہاں یہ عیب صرف الفاظ تک محدود رہتا ہے۔ اور جوش کے یہاں کبھی کبھی مصرعوں تک پہونچ جاتا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ علم و مطالعہ کے لحاظ سے بھی اختر کی نظر بہ نسبت جوش کے زیادہ وسیع ہے۔

بہرحال میرے نزدیک اس وقت بھی اختر، جوش سے بہتر شاعر ہیں اور اگر مستقبل میں اختر نے ترقی کرکے اس ثقل کو بھی دور کر دیا جو کبھی کبھی ناگوار حد تک ان کے کلام میں پایا جاتا ہے تو میں یہ کہونگا کہ وہ اپنے رنگ میں ہندوستان کا ایک ہی شاعر ہوگا اور اس کا مثل پیدا کرنے کے لئے زمین کو خدا جانے کتنے چکر اور کھانا پڑیں گے۔

یہاں تک تو میں نے ایک عمومی تبصرہ کرکے دونوں کی شاعری کا فرق ظاہر کر دیا، لیکن اسی کے ساتھ ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ میں دونوں کے کلام سے اقتباس پیش کرکے اپنے دعوے کا ثبوت بھی فراہم کروں ـــــــ سو اس کو میں کسی آئندہ اشاعت پر ملتوی رکھتا ہوں تاکہ لکھنؤ ہوکر بہ اطمینان سے ان دونوں کا کلام سامنے رکھنے کے بعد اس خدمت کو انجام دوں۔ تاہم تمہیداً جوش کی خامیوں کی چند مثالیں جو اس وقت مجھے زبانی یاد ہیں پیش کئے دیتا ہوں۔

ان کی ایک نظم محشرستان کا نپور کے عنوان سے شایع ہوئی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:۔

اے سیہ رو، بے حیا، وحشی، کمینے، بدگماں
اے جبین ارض کے داغ، اے دنی ہندوستاں

دوسرا شعر اس کا یہ ہے:۔

بجھ کو عورت نے جنا ہے جھوٹ ہے یہ ادلیں
آدمی کی نسل سے اور تو، نہیں ہرگز نہیں

پہلے شعر میں سرزمین ہندوستان سے خطاب ہے جسے جبین ارض کا داغ کہکر اور زیادہ موثق کردیا گیا ہے، لیکن دوسرے شعر میں فرماتے ہیں کہ "بجھکو عورت نے جنا ہے" درانحالیکہ ہندوستان کی سرزمین کو عورت نے کبھی نہیں جنا اور نہ وہ آدمی کی نسل سے ہے۔ یہ نقص معانی وبیان کا ہے۔ علاوہ اس کے دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ اولیں کا غیر ضروری استعمال کسی سے مخفی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ محض نہیں کا ہم قافیہ لانے کے لئے یہ آخریں کوشش کی گئی ہے۔

ایک شعر ہے :۔

تیری جانب اُٹھ رہی ہے دیکھ دوزخ کی نگاہ
سبحہ وزنار میں جکڑے ہوئے دیو سیاہ

دوسرے مصرعہ میں دیو سیاہ منادیٰ واقع ہوا ہے اور حرف ندا کہیں نہیں لایا گیا، درانحالیکہ فن کی رو سے ایسی صورت میں کہ مصرعہ کا اکثر حصہ منادیٰ کی صفت واقع ہو حرف ندا لانا بالکل لازم ہے تاکہ ذہن سامع مشوش نہ ہو۔

اور ایک شعر ہے :۔

تیغ بُراں اور عورت کا گلا کیوں بدصفات
چھوٹ جائیں تیری نبضیں، ٹوٹ جائیں تیری ہاتھ

دوسرے مصرعہ میں جو بدعادی گئی ہے وہ غالباً اسی عورت کی طرف سے دی گئی ہے۔ جس کا گلا تیغ بُراں کے نذر ہوا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایسی پُرجوش نظم میں یہ نسائی قسم کی ضعیف وکمزور بددعا کیسی۔

ایک شعر یہ ہے :۔

کہنیوں سے یہ تری کیسا ٹپکتا ہے لہو
یہ تو ہی اے سنگدل بچوں کا خونِ مشکبو

پہلے مصرعہ میں لفظ لہو بالکل بیکار ہے اور زور بیان کو ضعیف کرنے والا۔ اگر پہلے مصرعہ میں بغیر کسی تخصیص وتعین کے صرف استفسار ہوتا اور دوسرے مصرعہ میں تنکیری حیثیت سے اس کا جواب دیدیا جاتا تو شعر بہت بلند ہوجاتا۔ نثر میں ہم اس مفہوم کو یوں ادا کریں گے کہ :۔ یہ تیری کہنیوں سے کیا ٹپکتا ہے،

اے سنگدل سچ بتا یہ بچوں کا خون تو نہیں؟
ایک جگہ فرماتے ہیں:-

مرد ہے تو اس سے لڑ پہلے جو مارے پھر لڑے
تو نے بچوں کو چباڈالا خدا غارت کرے

پہلے مصرعہ میں اخیر کے دو لفظ (پھر لڑے) بالکل بیکار ہیں، مفہوم بغیر ان کے پورا ہو جاتا ہے دوسرے مصرعہ میں "خدا غارت کرے" بھی وہی نسائیت لئے ہوئے ہے۔
ایک شعر ہے:-

دل میں کھوٹا پن، ارادوں میں بدی نیت خراب
اسپہ بد باطن یہ عالم اور آزادی کے خواب

یہ عالم کا اشارہ کس طرف ہے شعر سے متبادر نہیں۔ مفہوم بغیر اس کے اس طرح پورا ہو جاتا ہے کہ اسپہ بد باطن یہ آزادی کے خواب!"

جوش نے ایک نظم خاتون ہند کے عنوان سے لکھی تھی جس کا پہلا شعر ہے:-

سن اے خاتون ہندی انجمن سے کیا تجھے نسبت
کہ زیبا ہے تجھے تو خلوت اخلاق کی مسند

پہلے مصرعہ میں لفظ انجمن استعمال کیا گیا ہے جو مادی منظر کی چیز ہے اور مصرعہ ثانی میں مقابلتاً خلوت اخلاق کہا گیا ہے جو بالکل غیر مادی چیز ہے۔ انجمن کے مقابلہ میں صرف خلوت کہا جا سکتا تھا۔ مگر محض مصرعہ پورا کرنے کے لئے لفظ اخلاق لایا گیا۔ علاوہ اس کے خلوت اخلاق یوں بھی بالکل مہمل فقرہ ہے۔ اگر اخلاق خلوت ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ اس قسم کی غلط ترکیبیں جوش کے یہاں بہت نظر آتی ہیں۔ اسی نظم کا دوسرا شعر ہے:-

تری رعنائیوں پر حق نہیں بزم شبستاں کا
ترے عضووں کا مرکز ہے حیا و شرم کا گنبد

لفظ گنبد کو مسند کا ہم قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔ درانحالیکہ صحیح تلفظ اس کا گُنبَد (بہ ضم با) ہے علاوہ اس کے بزم کے بعد شبستاں کی تخصیص بھی لغو ہے۔ اگر کوئی بزم دن میں منعقد ہو تو کیا عورت کی رعنائیوں پر اس کا حق ثابت ہو جائے گا!

ایک نظم میں اپنی شریک زندگی سے خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

کیوں نہیں روتی کہ دنیا دام میں آئی ہوئی
زر کے پیچھے دوڑتی پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

لفظ دام کے معنے جال کے ہیں اور مجازاً اس کا استعمال مکروفریب کے محل پر بھی ہوتا ہے، لیکن اصول معانی وبیان کے لحاظ سے مجازی معنی میں ایک لفظ ہمیشہ اس وقت استعمال کیا جائے گا جب اس کے بعد کوئی لفظ یا فقرہ ایسا نہ ہو جو لفظ کے اصل مفہوم کے متناقض ہو۔ درانحالیکہ یہاں دوسرے مصرعہ میں دوڑتی پھرتی کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے جو دام کے اصلی معنی کے متناقض ہے۔ دام (جال) میں آنے کے بعد "دوڑتے پھرنا" کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اسی نظم کا ایک شعر ہے :-

کیوں نہیں روتی کہ جنکے رخ پہ تھا رعب وقار
آج ان لڑکوں کی سج دھج دیکھ کر آتا ہے پیار

ظاہر ہے کہ جن کے رُخ پر رعب وقار تھا وہ لڑکے اور تھے اور جن کی سج دھج پر پیار آتا ہے وہ اور ہیں پھر دونوں کو ایک کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں اگر "اُن کے لڑکوں کی سج دھج" کہا جاتا تو بیشک درست ہو سکتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس وقت میرے سامنے جوش کی ایک بھی مکمل نظم موجود نہیں ورنہ ممکن تھا کہ میں کچھ مثالیں اور پیش کر سکتا۔

بہرحال میں اس بحث کو صحبت آئندہ پر موقوف رکھتے ہوئے، جوش صاحب سے عرض کرونگا کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے ان کی تنقیص مراد نہیں ہے۔ اُن کی شاعری کی بعض خصوصیات کا میں بیحد معترف ہوں اور میں اُن کو بھی کسی وقت دنیا کے سامنے پیش کروں گا۔

جنوری ۱۹۳۳ء کا نگار

وقف ہوگا صرف حضرت نیاز کے ملاحظات کے لئے کتاب شہوانیات علٰحدہ طبع ہو رہی ہے اور ناظرین نگار کو بہت معمولی قیمت پر دیجائے گی۔

غیر خریداران نگار علاوہ محصول عہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔

مینیجر نگار لکھنؤ

دکھایا جاتا۔ تو اعتراض کی کوئی صورت پیدا ہوتی۔

مجیب کا یہ جواب کہ کیا الفاظ نظم محدود ہیں۔ یا یہ کوئی غریب اور غیر فصیح لفظ ہے۔ ناواقفی فن کا پتہ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبھی کبھی شعراء کا کلام انھیں کے دوسرے کلام سے مل جاتا ہے اور مضمون مکرر بندھ جاتا ہے۔ محققین کے نزدیک اس کا کچھ مضائقہ نہیں اور اس کو اصطلاح شعراء میں تمغا کہتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ وہ مضمون مبتذل ہو جاتا ہے۔ شعرائے فارس میں سے مرزا صائب کے کلام میں اور شعرائے ریختہ میں سے میر تقی میر کے یہاں تکرار مضامین بہت پائی جاتی ہے۔

میرے نزدیک ایک مضمون کو طرح طرح سے کہنا کوئی عیب نہیں۔ بلکہ قوت نظم اور تخیل کے غیر محدود ہونے کا اسی سے پتہ چلتا ہے۔ اور اگر ایک ہی مضمون کو صرف بعض الفاظ کے تغیر سے بار بار کہا جائے تو وہ یقینی ابتذال ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

صبا۔ یہ ہم جلیس یہ ہمدم بزم ہستی تک — لحد میں کوئی کسی کا شریک حال نہیں

اعتراض ہم جلیس غلط ہے سند چاہیئے۔

جواب۔ یہ غلط العام ہے اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں

(مولف) یہ جواب غلط ہے۔ جلیس کے معنے خود ہم نشین اور مصاحب کے ہیں۔ غلط العام ہمیشہ قابل استعمال نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے استعمال کیا ہے تو فصحاء کے نزدیک وہ غلط ہی رہیگا۔ البتہ وہ الفاظ جنھوں نے ہند کی صورت اختیار کرلی ہے ضرور قابل استعمال ہیں خواہ وہ اصل زبان میں درست ہوں یا نہوں غلط العام کے جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص نقل کے طور پر اپنی عبارت یا شعر میں لائے تو وہ صحیح ہے یا جیسا کہ مرزا غالب کے اس شعر میں کہا گیا ہے۔

ع[1] دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے — عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

صاحب بفتح جائے حطی اب وغیرہ کا ہم قافیہ واقع ہوا ہے۔ مگر لفظ در اصل بکسر جائے حطی ہے۔ اس لئے اگر اس کو صحیح استعمال کریں گے تو اختلاف روی واقع ہوگا۔ لہذا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صاحب غلط ضرور ہے مگر چونکہ یہاں مرزا صاحب دوسرے آدمی کی زبان سے یہ کہلاتے ہیں اس واسطے اس کی زبان مانی جایگی اور یہی اس کے جواز کی دلیل ہوگی۔

---

[1] مستفاد از بحر الفصاحت

صبا۔ ہوئی اس قدر مجھ کو منظور دید رُخِ یار کا مردمک تل ہوئے

اعتراض - مصرع دوم کی کیا خوب ترکیب ہے سبحان اللہ

جواب - ہم ایسی تعریف کو پسند نہیں کرتے۔ ہجو و تحسین ناشناس قابل اعتبار نہیں۔ کوئی فصیح لکھنؤ اگر سبحان اللہ کہے تو البتہ جواب دینے کے لائق ہے

(مولف) نہایت مہمل جواب ہے جس میں تعصب کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ اعتراض بالکل صحیح ہے۔ دوسرے مصرع کی تعقید نے بندش کو مہمل کر دیا۔

صبا۔ عشق یوسف نے یہ کی خانہ خرابی برپا ٹھوکریں کھاتی زلیخا سر بازار پھری

اعتراض - خانہ خرابی برپا کرنا کہاں کا محاورہ ہے سند لائیے۔

جواب - خانہ خرابی برپا کرنا لکھنؤ کا محاورہ ہے اور یہی شعر سند ہے اہل زبان سے محاورہ کی نسبت زباندان کا سند مانگنا یعنی چہ

(مولف) خانہ خرابی برپا کرنا غلط اور قطعاً غلط ہے۔ شاید مرزا غالب کا یہ شعر اس جواب کی تردید کے لئے کافی ہو جائے ؎

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

اگر خانہ خرابی برپا کرنا ہی محاورہ ہے تو مرزا کا یہ شعر غلط ہونا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ خانہ خرابی میں یائے مصدری ہے۔ جو برپا کرنے کی ضرورت کو پوری کر رہی ہے پھر اس کے غلط ہونے کی کونسی وجہ ہے اور خانہ جنگی برپا کرنا۔ خانہ پری پوری کرنا۔ خانہ بربادی قائم کرنا وغیرہ کی غلطی کا کیا سبب ہے۔

رہا یہ جواب کہ اہل زبان سے زباندان کو سند مانگنے کا کیا حق ہے ایک تعصب آمیز جواب ہے جسے عقل کسی طرح قبول نہیں کرتی۔ اس لحاظ سے کوئی اہل زبان اگر غلط کہے تو اس پر کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے گی۔

صبا۔ موجد گلشن ہے تاثیر بیان عندلیب ہے نموئے نخل گل نوک زبان عندلیب

اعتراض - "تاثیرِ بیان عندلیب" موجد گلشن کیونکر ہو سکتی ہے۔ لفظ موجد سے مصرع اول مہمل ہو گیا

جواب - سامعین کے دلوں کا باغ باغ کرنا تاثیر بیانِ عندلیب کا کام ہے یہ صفت تاثیر بیان بلبل کی غیر معتبر نہیں مسلم عام ہے یہی گلشن کی ایجاد ہے۔ مگر اسباب کو وہی سمجھے گا جسے علم بیان کچھ یاد ہے۔

(مولف) اعتراض بالکل صحیح ہے جواب میں - جو معنے بیان کئے گئے ہیں وہ صرف غلط ہی نہیں بلکہ مضحک بھی ہیں - ایجاد عربی کا لغت ہے - اس کے معنے نئی چیز بنانے اور پیدا کرنے کے ہیں سحر کا یہ شعر اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے ؎

اے سحر تم نے بہت شعر بنا کر کے کہا　　قوت آخذہ کے حصہ میں ایجاد آیا

یا ؎　　اوس ستم ایجاد نے طرز ستم ایجاد کی　　خاک بھی مجھ خانماں برباد کی برباد کی

اس کے بعد موجد گلشن کے معنے سمجھئے - غالباً ایک مہمل ترکیب ہو جائے گی - گلشن کی ایجاد یعنی چہ؟

کسی کا شعر ہے ؎

ثمرہ بڑا سہی مگر اے شیخ غور کر　　کتنا لطیف طبع تھا موجد گناہ کا

کسی شے - کسی فعل - کسی صفت - کسی کام کی ایجاد ہوا کرتی ہے نہ کہ انسان اور گلشن کی ایجاد - اسپر یہ معنی بیان کرنا کہ سامعین کے دلوں کا باغ باغ کرنا تاثیر بیان عندلیب کا کام ہے کس قدر لغو ہے شاعر کی مراد دلوں کو باغ باغ کرنے کی نہیں بلکہ وہ دوسرے مصرع میں نمو کے نخل گل بھی لایا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی فغان بلبل ایجاد گلشن کرتی ہے - جو بالکل مہمل بات ہے -

---

صبا - خط یہاں تک لکھوں اسکو کہ کروں سب قلم　　ہاتھ لگجائے اگر دشت نیستاں مجھکو

اعتراض - اس شعر میں دشت کی کونسی ضرورت تھی -

جواب - دشت نیستان (بہ اضافت) نہیں اصل میں دشت و نیستان ہے - آپ کے پاس جو دیوان ہے اس میں واو غلطی کاتب سے رہ گیا ہوگا - اور مقصود مصنف یہ کہ اشجار دشت اور نیستاں کی نے سب قلم کر ڈالوں -

(مولف) میرے پاس جو نہایت قدیم نسخہ دیوان صبا کا ہے اس میں بھی واو عاطفہ نہیں ہے -

---

صبا - قرار اک دم نہیں ہے دیدہ غم بیں میں آنسو کو　　نہیں آرام گہوارے میں بھی اس طفل بدخو کو

اعتراض - دیدہ غم بیں کی ترکیب بھی دیدنی ہے -

جواب - جس نے کچھ دیکھا ہو اس کے واسطے دیدنی ہے - میر ؎

کیا میں بھی پریشانی خاطر سے قریں تھا　　آنکھیں تو کہیں تھیں دل غم دیں کہیں تھا

(مولف) میر کا جو شعر سند میں پیش کیا گیا ہے اس میں دل غم دیں میں نون کا اعلان نہایت ہی برا!

معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے کیا عجب ہے کہ دل غمگیں ہو۔ اور اگر میر نے اس ترکیب کا استعمال کیا ہے تو بھی میرے نزدیک یہ ترکیب نامانوس ہے۔

صبا۔ خدا کو انتہا لینی تھی اپنے جور گردوں کی — دگرنہ کب عدم سے ہم سا آفت کوش آتا ہے

اعتراض۔ مصرع اول مہمل ہے۔ اگر انتہا کے بدلے امتحان کہتے تو مضائقہ نہ تھا۔

جواب۔ کسی چیز کی انتہا لینا۔ اس چیز کا اندازہ کرنا خاص اہل لکھنؤ کا محاورہ ہے اور بہت فصیح محاورہ ہے۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ جن محاورات سے آپ ناواقف ہوں اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

(مولف) بہت ممکن ہے کہ انتہا لینا اندازہ کرنے کے معنے میں لکھنؤ کا محاورہ اور بہت فصیح محاورہ ہو مگر میرے گوش زد نہیں ہوا تھاہ لینا۔ ایک محاورہ ہے جو ممکن ہے کہ انتہا لینا سے بگڑ کر بنا ہو یہی اب بولا جاتا ہے۔

صبا۔ سر محفل بٹھا کر چاہنے والوں کو رلوایا — نیا گانا نکالا آپ نے بیتال دبے سر کا

اعتراض۔ بے تال دبے سر کے درمیان واو عطف کیوں ہے تال لفظ ہندی ہے اور بے کا لفظ فارسی ہے۔

جواب۔ اپنے اعتراض کا تال سُر درست کیجئے۔ شعر میں حرف عطف کہیں ضرورت ہی نہیں اور نہ اصل میں ہے آپ نے کسی غلط دیوان میں دیکھا ہوگا۔

صبا۔ سرکشی پر جو وہ سرو ستم ایجاد آیا — پاس آ کر کے گھٹتا ہوا شمشاد آیا

اعتراض۔ گھٹتا ہوا کی فصاحت کی تعریف کا نہ زبان کو یارا کہ بیان کرے اور نہ قلم کو توانائی کہ لکھے۔

جواب۔ بندہ پرور گھٹتا ہوا کی عدم فصاحت پر دلیل کیا ہے۔ صرف آپ کا دعویٰ ہے جو ہرگز معتبر نہیں۔ یہ تو ہمارے واسطے ہے۔ کہ جس کو ہم کہدیں وہ فصیح ہے اور جس لفظ کو ہم غیر فصیح کہیں وہ فصیح نہیں

(مولف) گھٹتا ہوا اگرچہ غیر فصیح نہیں ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس شعر میں کچھ اچھا بھی نہیں معلوم ہوتا

صبا۔ دوڑ چلنا راہ الفت میں کب بدل جائیے — رفتہ رفتہ جائیے منزل بمنزل جائیے

اعتراض۔ مصرع اول کو مصرع دوم سے کچھ ربط نہیں۔ یہ شعر مہمل ہے۔ مصنف نے اپنے زعم میں

جو معنے ٹھہرائے ہیں وہ اس ترکیب و بندش سے نہیں نکلتے

جواب - معنی شعر اور دونوں مصرعوں کا ربط تو ظاہر ہے مگر آپ زبان اُردو سے بخوبی واقف نہیں اس وجہ سے آپ سمجھ نہیں سکتے - چلنا بہ فعل آخر دوم سے محذوف ہے - اور معنے یہ کہ اے دل راہ الفت میں دوڑ کر چلنا نہ چاہیئے - بلکہ آہستہ آہستہ اور منزل بمنزل چلنا چاہیئے

(مولف) اعتراض درست ہے - رفتہ رفتہ دوڑ چلنا کوئی معنی نہیں رکھتا - راہ الفت میں دوڑنا منزل بمنزل چاہیئے یہ بھی ایسا ہی ہے - چلنا محذوف بتایا گیا ہے اس کا ذکر کہاں ہے

صبا - پئے گلگشت جو وہ طفل دبستاں ہو جائے   بوستاں دفتر اوراق پریشاں ہو جائے

اعتراض - "پئے گلگشت ہو جائے" بھی نیا محاورہ ہے

جواب - اگر نیا محاورہ ہے تو کیا قباحت ہے یہ بھی تو اہل زبان ہی کا محاورہ ہے - زبان داں کو اس پر عذر کرنے کا کیا حق ہو سکتا ہے -

(مولف) فاضل مجیب اہل زبان ہونے کے زعم میں غلط محاوروں کو بھی صحیح بتانا چاہتے ہیں - حالانکہ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو محاورہ کی ایجاد و اختراع کا مجاز کر دیا جائے - اگر یہی ہو تو ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو جائے اور پھر غلط اور صحیح کی کوئی پہچان نہ ہے میرے نزدیک ہو جائے صحیح ہے -

---

صبا - صبا یہ اس کا ہی موجد وہ اس کا موجد ہے   بشر ہے غم کے لئے اور غم بشر کے لئے

اعتراض - موجد غم بشر مہمل - اور غم موجد بشر مہمل - معلوم نہیں کہ مصنف نے اپنے زعم میں موجد کے کیا معنے ٹھہرائے ہیں -

جواب - یہاں موجد سے مجازاً باعث ایجاد مراد ہے - شعر ذیل میں لفظ قاتل ملاحظہ کیجیئے شعر

گفتم مرو بکوئے بتاں دل رضا نہ داد   آخر بجوں فشاند دلم قاتل من است

دیکھیئے یہاں بھی قاتل بمعنی سبب قتل ہے -

(مولف) موجد کے متعلق ایک جگہ بحث ہو چکی ہے - اسی طرح سے بشر موجد غم یہاں بھی مہمل اور لغو ہے - یہ مضمون مومن و غالب نے بھی کہا ہے - مگر نہایت منطقی انداز سے ملاحظہ کیجیئے -

غالب - قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں   موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مومن — چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی   ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

ان دونوں شعروں میں بھی انسان کی زندگی کا سبب غم کو بتایا گیا ہے۔ مگر نہایت عمدہ طریق سے جس پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

صبا۔ گھر چھٹے شہر چھٹے سارا زمانہ چھوٹے   ایک وہ منتخب و چیدہ و مفرد ملجائے

اعتراض۔ مفرد کی بھی فصاحت دیدنی ہے۔

جواب۔ مفرد کی فصاحت میں بجز آپ کے کوئی شاعر نہ عذر کرے گا۔

(مولف) فرد کے معنے میں مفرد استعمال کیا ہے۔ میرے خیال میں مفرد مرکب کے مقابلہ پر مستعمل ہوتا ہے کسی کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے فن میں فرد ہے۔ مگر یہ نہ کہیں گے کہ وہ اپنے فن میں مفرد ہے۔ اگرچہ معناً دونوں ایک ہیں۔ مگر لغت اور قواعد کا دخل زبان اور محاورات میں نہیں ہو سکتا۔ اگر مفرد اس جگہ صحیح ہے۔ تو مجّرد بھی صحیح ہونا چاہیئے۔ اسی میں کیا عیب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مفرد اور فرد کے معنوں میں بڑا فرق ہے۔

صبا۔ صبا نہیں ہیں ایک طرح سے روشن دل   اندھیرا رہتا ہے پائے چراغ کے نزدیک

اعتراض۔ اس شعر کی ترکیب نہایت معقول ہے۔ پائے چراغ کے نزدیک اندھیرا رہنا عمدہ اور "ایک طرح" کا لفظ بھی قابل دید ہے۔

جواب۔ ترکیب شعر معقول تو ہے مگر معقول کے نزدیک اور پائے چراغ کے نزدیک اندھیرا رہنا بھی کوئی نئی بات نہیں۔ یہ تو ایک بدیہی امر ہے۔ جس کو خدا نے بصارت دی ہے وہ روز دیکھتا ہے اور وہ لفظ کون ہے جو ایک طرح کا قابل دید ہے۔

(مولف) اعتراض صحیح ہے۔ اول تو محاورہ میں تصرف ہے۔ کیونکہ محاورہ یہ ہے۔ چراغ تلے اندھیرا یا دئے کے نیچے اندھیرا۔ اس کو پائے چراغ کے نزدیک اندھیرا کہنا فصیح نہیں ہے۔

صبا۔ مجھسے نہ تم ملو جو محبت ہے زر کے ساتھ   ممکن نہیں صفائی دل اس کدر کے ساتھ

اعتراض۔ لفظ دل بھی کس صفائی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

جواب۔ صفائی میں تو کچھ نقصان نہیں آپ کا دل ہی کچھ مکدر ہے۔

(مولف) یہ اعتراض کہ صفائی غلط ہے غلط ہے - مگر اس میں لفظ کہ ربغتتین واقع ہوا ہے جو اگرچہ درست ہے - مگر پھر بھی نہایت ہی ثقیل اور برا معلوم ہوتا ہے -

---

صبا - مثل دیوانہ بہت شاہد آبی کف لائے وہ پری سیر کو جو دم لب دریا آیا

اعتراض - نہیں معلوم شاہد آبی کس جانور کا نام ہے اگر گومتی میں کوئی جانور آبی پیدا ہوتا ہو اور اس کو شاہد آبی کہتے ہوں تو کچھ گفتگو نہیں - اگر شاہد کے بدلے مردم آبی کہتے تو شعر درست ہو جاتا -

جواب - مردم آبی کو اگر شاہد آبی کہا تو کیا بیجا کیا - اور آپ اپنے مقام سکونت سے تعجب ہے کہ واقف نہیں - گومتی چھوٹا سا دریا ہے - اس میں یہ جانور کہاں - دریائے شور کے ساحل پر یہ اکثر دکھائی دیتے ہیں -

(مولف) مردم آبی - ایک جانور ہوتا ہے جو صورتاً انسان سے مشابہ ہے مگر صبا نے اُن میں بھی عاشقی معشوقی کا جھگڑا پھیلا دیا -

---

صبا - کس یاس سے کہتا ہوں میں اُنسے دم رخصت لو جاؤ تم اللہ نگہدار تمھارا

اعتراض - اللہ نگہدار تمھارا کیا فصیح محاورہ ہے - نگہدار کی جگہ نگہبان کہا ہوتا - مگر کیا کیجئے ضرورت قافیہ نے مجبور کیا - استادی کے یہی معنے ہیں اول میں یاس کا لفظ بھی چسپاں نہیں -

جواب - واقعی ضرورت ایسی ہی چیز ہے - اس زمانے کے بعض شاعر اسی ضرورت کی وجہ سے سرقہ کی ذلت گوارا کرتے ہیں - بعض نے فہرست شعرا میں نام لکھانے کی وجہ سے دفتر کے دفتر ترجمہ کر لئے بعض کو ضرورت نے ایسا مجبور کیا کہ اُنھوں نے کلام مشاہیر پر اعتراضات بیجا کئے - تاکہ وہ بھی پانچویں سواروں میں گنے جائیں - مگر شعر صبا سے تو میرے نزدیک مجبوری ظاہر نہیں اس واسطے کہ نگہدار اردو کیا فارسی میں بھی فصیح ہے - اور وہاں کے فصحا ہمیشہ سے اس لفظ کا استعمال کرتے چلے آئے ہیں مثنوی بزم وصال حال میں عجم سے آئی ہے اور انگریزوں کے ذریعہ سے ہندوستان میں شایع ہوئی ہے اُسے دیکھئے ؎ کہ

یارب علی را نگہدار باش بہر کاوش از لطف خود یار باش

یہ شعر اسی مثنوی کا ہے - اور سعدی نے بوستان میں فرمایا ہے ؎

جہانت بکام و فلک یار باد جہان آفرینت نگہدار باد

جب آپ نے سیر بوستان سعدی بھی نہیں کی تو بزم وصال تک رسائی کجا - اور یا اس کی نسبت بھی آپ کا عذر لنگ ہے اس کے چسپاں ہونے کی وجہ بیان کرنی چاہیے تھی -

(مولف) معترض کا اعتراض بگھدا ور پر اس کے صحیح اور غلط ہونے کے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ صبا نے جس جگہ اس کو صرف کیا ہے وہاں یہ فصیح نہیں ہے - اور یہ صحیح ہے کہ صرف ضرورت قافیہ سے مجبور ہو کر یہ لکھا گیا ہے ورنہ شاید ہرگز نہ لکھا جاتا -

---

صبا - نقد دل ہائے چرا کر بت پُرفن کیسا ۔ چپکے بیٹھا ہے جھکائے ہوئے گردن کیسا
" دیکھکر رنگیں ترا رخسار قیصر باغ میں ۔ گل سے بلبل ہوگئی بیزار قیصر باغ میں
" دیتے ہیں جان ہم لب لعلین یار پر ۔ یاقوت کا تمام بنے گا مزار سرخ

اعتراض - اشعار مندرجہ بالا میں مطلعوں کی ایک ردیف اور غیر مطلع کی ردیف بیکار ہے -

جواب - مطلع اول میں ردیفیں مختلف المعنی ہیں - اول کے معنے کس عیاری سے اور دوم کے معنے کس بھولے پن سے ہیں - کوئی ردیف بیکار نہیں - شعر دوم میں ایک جگہ قیصر خطاب ہے اور دوسری جگہ قیصر باغ نام مکان - شعر سوم میں بھی ردیفیں بیکار نہیں اس واسطے کہ یواقیت مختلف الالوان ہوتے ہیں اس وجہ سے رنگ کی تصریح کی گئی - ردیف بیکار کی مثال یہ ہے ؎

نساخ - زمزمہ سنجی مری سن لے جو ای آئینہ رو ۔ جائے طوطی باغ میں مرغ خوش الحان سبز ہو

یہاں سبز ہو برائے بیت ہے - یہاں سبز ہو کے معنے ہی کیا ہیں - اگر کہیے فارسی اصطلاح سبز شدن کا ترجمہ ہے - تاہم یہاں بے معنی ہے

(مولف) میرے نزدیک پہلے دونوں مطلعوں میں ردیف بیکار ہے ؎ نقد دل ہائے چُرا کر بت پُرفن کیا - میں کیسا کے معنے جیسا کہ بیان کئے ہیں ہرگز بھولے پن یا عیاری کے نہیں ہیں ------ قیصر باغ میں جو ایک جگہ قیصر کو مخاطب ٹھہرایا ہے - یہ تاویل اگرچہ صحیح ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قیصر کیا شاعر کے معشوق کا نام تھا - یا بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے - اور کیا واجد علی شاہ پر صبا جان دیتے تھے -

یواقیت کے مختلف الالوان ہونے کا دعویٰ صحیح - مگر دیکھنا یہ چاہیے کہ شاعر مزار کی صفت میں سرخ لایا ہے نہ کہ یاقوت کے لئے - اگر کھینچ تان کر اس کو مان بھی لیا جائے تو بھی زبردست تعقید کا الزام اس پر قائم رہے گا -

---

نعمتخان عالی - بیا کہ شیشہ مے در سجود جام شدہ است   ببیں کہ خانہ ما مسجد الحرام شدہ است

(مولف) میںنے شاید کسی دوسری جگہ بھی یہ بحث لکھی ہے - مگر یاد نہیں کہ کس جگہ - بہر صورت بیان دوبارہ لکھنا بیکار ہے مگر یہ اظہار کرنا ضروری ہے کہ وہ اشعار جن کے الفاظ میں ذم کے پہلو پیدا ہو جائیں خواہ وہ کوئی معنے دیتے ہوں نظر انداز کر دینا چاہئیں - یا ایسی تشبیہیں جو رکیک ہوں اُن کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے -

مولانا آزاد نے طاہر وحید کا جیسا شعر پیش کیا ہے ایسا ہی دو شعر کا ایک قطعہ بنائی ہروی کا ہے جو اس نے ضرورتاً کہا تھا - ضرورت یہ تھی کہ بنائی نے امیر علی شیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا اور نذر گزرانا - امیر علی شیر کی داد و دہش مشہور تھی - مگر وقت کی بات کچھ موانع ایسے تھے کہ جس قدر دینا چاہئے تھا اتنا صلہ بنائی کو نہ دے سکا - بنائی نے اس سے بھی زیادہ چالاکی سے کام لیا اور پورے قصیدے کو بدل بدلا کر سلطان احمد مرزا کے نام کر دیا - سلطان احمد مرزا سلطان حسین مرزا کے ساتھیوں یا مقربین عشرہ میں سے ایک تھا - یہ چالاکی کرنے کے بعد دوسری زیادتی یہ کی کہ امیر علی شیر کے پاس ایک قطعہ لکھکر بھیجا وہ یہ ہے - مگر سچ پوچھئے تو پہلے شعر میں جو چوٹ بڑی ہے اس کو دوسرے شعر میں اس صفائی سے بچایا گیا ہے کہ کسی اعتراض کے بجائے اور تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے - مگر پہلا شعر بالکل ایسا ہی ہے - جیسا شعر طاہر وحید کا ہے کہتا ہے ؎

دخترانے کہ بکر فکر من اند   ہر یکے را بہ شوہرے دادم
آنکہ کابین نداد عنین بود   زو کشیدم بہ دیگرے دادم

یہی بنائی ہروی ہے جس کا مندرجہ ذیل شعر نورجہاں کے نام سے مشہور ہے ؎

ترانہ تکمہ لعل است در لباس حریر   شد است قطرۂ خوں منت گریباں گیر

ظہیر فاریابی[1] و آزاد بلگرامی

ظہیر - چوں بر زمیں طلیعہ شب گشت آشکار   آفاق کرد کسوت عباسیاں شعار

---

[1] ظہیر فاریاب کا رہنے والا اور قزل ارسلاں کا مداح تھا - اُس کے علاوہ بہت سے ممدوحوں کی مدحیں اس سے یادگار ہیں اس کے قصائد اتنے زبردست ہیں کہ معاصرین میں سے کوئی اس کے پلے کا نہیں وہ بعض کے نزدیک ۵۹۸ھ میں اور بعض کے نزدیک ۵۵۲ھ میں فوت ہوا اس کی ایک تشبیب پر مولانا آزاد نے بیقاعدگی کا اعتراض کیا ہے -

ظہیر- پیدا شد از کرانۂ میدان آسماں
شکل ہلال چوں سر چوگان شہریار
" دیدم زرِ ریختہ بریں تختِ لاجورد
نونے کہ آن بخطِ خفی کردہ شد نگار

اعتراض آزاد- تشبیب کے دوسرے شعر میں ہلال کی تشبیہ سر چوگان شہریار سے دی گئی ہے- مگر شہریار کا ہنوز ذکر نہیں ہے- اس صورت میں چاہیے کہ یہ گریز- مخلص ہو جائے- مگر ظہیر نے تشبیب کا سلسلہ دور تک جاری رکھا ہے- چاہیے یہ تھا کہ یہیں سے بادشاہ کے معاملہ کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا

(مولف) اعتراض کے جوابات اس صورت سے دئے جا سکتے ہیں کہ اس قسم کی مثالیں ڈھونڈھ لی جائیں اور غالب ظن یہ ہے کہ مل جائیں گی- مگر پھر بھی اعتراض قائم رہے گا- یہاں مدح موجود ہے اور ممدوح غائب اشارہ موجود مشارٌ الیہ مفقود ہے اس کا جواب کہاں سے دیا جائے-

---

ظہیر و سعدی

ظہیر- نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیرِ پا
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں زند

اعتراض سعدی- چہ حاجت کہ نہ کرسی آسمان
نہم زیرِ پائے قزل ارسلاں

(مولف) سعدی نے اعتراض کا جو پھندا بنایا ہے وہ مبالغہ کی راہ سے ہے اور بالکل صحیح ہے مبالغہ اگر صرف مبالغہ ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن جب وہ غلو تک پہونچ جائے تو پھر اس پر جو کوئی جتنے اعتراض کرے صحیح ہیں- میں نے کہیں دیکھا ہے کہ کسی نے متاخرین میں سے اس شعر پر یہ اصلاح دی ہے-

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیرِ پا
تا بوسہ بر رکابِ شہ مرسلاں زند

اس مصلح نے شاید سعدی کے اعتراض کو بے ادبی ظہیر پر مبنی سمجھا ہے اور یہ اعتراض اس صورت سے دفع کر دیا ہے- خیر اعتراض تو اٹھ گیا- مگر وہ بات کہاں-

سعدی نے بھی اعتراض کیا ہے مگر سچ پوچھئے تو اس اعتراض سے اور بھی اپنی مدح کو مضبوط کر لیا ہے اور اسی اعتراض سے رتبہ بڑھا لیا ہے-

---

عالیؔ شیرازی و آزاد بلگرامی

۵۱- عالی کا نام میرزا محمد تھا مگر نعمت خاں کے نام سے مشہور ہوئے ان کے والد حکیم (ملاحظہ ہو بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۷۳)

۵ بار دیگر گد خدا شد خان عالی منزلت باکمال عزو تمکین و قرار و زیب و زین

اعتراض - نعمت خاں کا پہلا تخلص حکیم تھا - جیسا کہ ذکر ہو چکا کہ حکیم کی تصحیف کے خیال سے عالی تخلص اختیار کیا - اسی لئے اگر یہ قطعہ ہجو اس تبدیلی سے پہلے کہا ہے تو خیر اتنی ہی قباحت لازم آتی ہے کہ ہر خاں جو عالی درجہ ہو اس کو کہا جا سکتا ہے - اور اگر تبدیل تخلص کے بعد یہ قطعہ ارشاد ہوا ہے تو خان عالی کے نام سے نعمت خاں مشہور تھے پورا قطعہ اپنے اوپر آتا ہے - اور وہ تمام رکیک الفاظ جو کامگار خاں کے لئے استعمال کئے ہیں سب نعمت خاں کا حصہ ہوئے جاتے ہیں -

(مولف) اعتراض بالکل صحیح ہے - ہمیشہ اس قسم کے جملے یا الفاظ کسی کی ہجو وغیرہ میں نہ کہنا چاہئیں جن کا اثر خود اپنی ہی ذات پر مترتب ہو جائے -

---

(ملاحظہ ہو بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۷۲) فتح الدین ہندوستان آئے عالی ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے مگر صغر سنی ہی میں باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے اور وہیں تعلیم پائی جب پڑھ لکھ چکے تو پھر ہندوستان آئے - اور ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے اور عالمگیر بادشاہ کے زمرہ تنخواہ داراں میں داخل ہو گئے ابھی ان کی کوئی خاص شہرت اور وقعت نہ تھی - جس زمانہ میں انھوں نے حیدرآباد کی فتح کی تاریخ لکھ کر نذر گزرانی - اس وقت بادشاہ کی طرف سے خلعت ملا ۱۰۹۸ھ میں نعمت خاں خطاب ملا اور باورچی خانہ کے داروغہ ہو گئے - اور آخر عہد عالمگیری میں مقرب خان خطاب پایا - اس کے ساتھ داروغہ جواہر خانہ کا عہدہ بھی ملا معظم شاہ کے زمانے میں دانشمند خاں کا خطاب پایا اور شاہنامہ لکھنے پر مامور ہوئے اس نسخہ کے لکھتے ہی لکھتے ۱۱۲۱ھ میں نسخہ حیات تمام ہوا - مختلف کتب جنگ نامہ حسن و عشق، مضحکات وقایع وغیرہ کے علاوہ ایک دیوان غزلیات بھی ان سے یادگار ہے پہلے حکیم تخلص تھا - مگر چونکہ حکیم کبھی حکیم بھی پڑھا جا سکتا ہے لہذا یہ تخلص بدل کر عالی تخلص رکھا -

نعمت خان عالی کی ہجویں اس بلا کی ہیں کہ تیر و تلوار میں اس قدر اثر نہیں ہے جس قدر کہ ان میں ہے انہیں ہجووں میں سے ایک ہجو وہ تھی - جو کامگار خاں پسر دوم عمدۃ الملک نواب جعفر خاں وزیر اعظم عالمگیر کی شادی پر لکھی ہے اور وہ وہ خرافات جمع کئے ہیں کہ خدا کی پناہ - اتفاق کی بات - چاہ کن را چاہ در پیش والا معاملہ ہوا ہے - پہلے ہی شعر میں ایک ایسی ٹھوکر کھائی ہے کہ پوری ہجو اپنے اوپر منطبق ہو گئی ہے - بہت ممکن ہے کہ خود نعمت خاں عالی کے زمانہ میں کسی نے اس پر خیال نہ کیا ہو مگر مولانا آزاد بلگرامی کو اس کا احساس ہوا

عاقل و مرزا فاخر مکیں

عاقل شاہجہاں آبادی عہد عالمگیری کا نہایت مشہور و معروف شاعر تھا۔ مرزا فاخر مکیں نے اس کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے۔

عاقل۔ گواہی مید ہد عالم بہ وحدت ذات بیچوں را — کہ خاصیت یکے باشد زچندیں جزو معجوں را

اعتراض۔ اس شعر میں ذات بیچوں کو معجون سے تشبیہ دی ہے اور اہل عالم کو اس معجون کے اجزاء میں سے شمار کیا ہے۔ ہر چند کہ معجون کے معنے آمیختہ شدہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ مگر جس معنی میں معجون مشہور ہے اس معنے میں اس شعر سے سوء ادب کا احتمال ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ ایسی بُری تشبیہیں استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ ہاں اس وقت بُری تشبیہ کا استعمال جائز ہے کہ جب کسی قبیح شے کے واسطے استعمال کی جائے کاش یوں کہتا۔

بود آمیزشے باہم بہ طینت ربع مسکوں را — کہ کیفیت یکے باشد زچندیں جزو معجوں را

اگر شعر مالحن فیہ میں عالم کو معجون قرار دیا ہے تو مصرع اولیٰ میں معنی کا ربط نہیں

جواب سودا۔ میرے نزدیک جناب مرزا مکین نے شعر کے معنے سمجھے ہی نہیں۔ اس شعر میں مصنف نے عالم کو اجزائے معجون سے تشبیہ دی ہے کیونکہ عالم کی خلقت بھی عناصر سے ہوئی ہے۔ اور خاصیت معجون کو وحدت سے تشبیہ دی ہے۔ سامنے کی بات تھی مگر مرزا صاحب قبلہ نے ذرا بھی غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ زبردستی سوئے ادب کا اعتراض پیدا کر دیا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ایک بے معنی مصرع بھی لگا دیا ہے۔

بود آمیزشے باہم بطینت ربع مسکوں را — کہ کیفیت یکے باشد بچندیں جزو معجوں را

اعتراض سودا بر مصرع فاخر مکین۔ ہر ذی شعور جانتا ہے کہ ربع مسکوں کے معنے چہارم حصہ زمین کے ہیں جو آباد ہے۔ چنانچہ ریاضی داں فرقے نے جو زمین کی حقیقت بیان کی ہے اس میں ایک رُبع کو مسکون قرار دیا ہے۔ پس ایسی صورت میں قطع زمین کی باہم آمیزش کی کونسی صورت ہے۔ بلکہ اس کی طینت میں آمیزش ہو کہ سب کی ترکیب عناصر سے ہوئی ہے۔ قطعہ زمین صرف عنصر خاکی ہے۔ اور آمیزش کثرت چاہتی ہے اگرچہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ زمین بھی بسیط ہے اور اس میں بھی آمیزش موجود ہے کیونکہ کثرت اس میں موجود ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جو کثرت خیال کی جاتی ہے وہ باعث فعل و انفعال نہیں ہو سکتی جس سے اس بحث میں مراد لی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ معجون لفظ مضحک ہندوستان

ی زبان میں ہے، ایک مغل کو اس کے متعلق کیا معلوم کہ وہ اپنے شعر میں نہ لائے۔

(مولف) عاقل نے شعر کے یہ معنے لئے ہیں کہ عالم خدا کی وحدت پر گواہ ہے اگرچہ وہ مختلف چیزوں سے مل کر عالم ہوا۔ مگر پھر بھی خاصیت سب کی ایک ہی ہے سب اس کو واحد جانتے ہیں اور باوجود اس کثرت کے بھی یہی ایک قاعدہ تمام عالم میں جاری و ساری ہے۔ اور گویا اس کثرت میں بھی وحدت کی شان پیدا ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایک معجون کی سی ہے جو مختلف اجزا سے تیار کی جاتی ہے لیکن ترکیب پانے پر اس کا خاصہ اور اس کی کیفیت اور اس کا فائدہ ایک ہوتا ہے۔ مگر مرزا فاخر مکیں نے یہ معنے سمجھے ہیں کہ خدا ایک معجون مرکب ہے جو معاذ اللہ اتنے اجزائے عالم سے تیار ہوا ہے اور اب بھی اس میں وحدانیت ہے جیسے کہ تمام معجونوں کی خاصیت باوجود بہت سے اجزا سے تیار ہونے کے ایک ہی ہوتی ہے۔

انصاف یہ ہے کہ معنے تو وہی صحیح ہیں جو سودا نے بیان کئے ہیں۔ مگر فاخر کا خیال بھی درست ہے پہلے مصرع میں ایک قسم کی گنجلک ضرور ہے۔ جو بغیر غائر نگاہ ڈالنے کے دور نہیں ہوتی۔ سودا کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ مغل بیچارہ کیا جانے کہ ہندوستان میں معجون کے مضحک معنے کیا لئے جاتے ہیں اور کیوں لئے جاتے ہیں۔ مگر وہ الفاظ جنکے معنے ہندوستان میں بھی وہی ہیں اور ایران میں بھی وہی ان سے البتہ احتراز ضروری ہے جیسے کہ عرفی کا یہ مصرعہ

خون حیض دختر از جوشد از لبہائے من

یا آتش کا یہ مصرع ؎

میکدے میں خون حیض دخت رز کا جوش ہے

دونوں جگہ خون حیض کے ایک معنے ہیں اب اس کو استعارے کے طور پر لا کر عرفی نے اپنے لبوں تک پہونچا دیا ہے۔ اور آتش نے میخانے میں اس خون کے دریا بہائے ہیں یہ طریقہ مذموم ہے اور اس سے ہمیشہ احتیاط ضروری ہے۔

مگر باوجود اس کے کہ سودا نے مکین کے اعتراض کا جواب بھی دیا۔ اور ان کی اصلاح پر اعتراض بھی کیا مگر مکیں کا یہ اعتراض دفع نہیں ہوتا کہ ایسی تشبیہ دینا پڑا ہے ایسی تشبیہات کا اچھی جگہ صرف کرنا نہایت ہی خطرناک ہے۔ لکھنؤ کے اکثر شعرا کے یہاں اس قسم کی بری تشبیہیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً چند ملاحظہ کیجئے۔

آتش:۔ حلقۂ دیوانگاں ہے اس پری پیکر کے ساتھ ۔ اس طرح اصحاب ہوں جس طرح پیغمبر کے ساتھ

اس میں آتش کا پیری بیکر معشوق پیغمبر ہے اور اصحاب دیوانے ہیں۔

گویا ؎

گھر تیرا ہے جنت کے گلستان کی برابر
چاؤش ہیں دروازے کے رضواں کے برابر

معشوق کے بالاخانے کو جنت کہا ہے اور معمولی نوکروں کو رضواں قرار دیا ہے رکیک تشبیہوں کی مثالیں اور ملاحظہ کیجئے۔

امانت — دیکھے اس پستاں پہ زلفوں کو تو بچہ بھی کہے
دودھ پینے کے لئے بیٹھا ہے جوڑا سانپ کا

بحر — آسیا سی ہیں جلکیاں اور پتھر چھاتیاں
مونگ چھاتی پر دلینگی یہ ستمگر چھاتیاں

امانت — صندل اس کی ہے مانگ میں کیا خوب
راہ ظلمات میں یہ دلدل ہے

وزیر — خط پہ خط لائے جو میرے نامہ بر
بولے ان مرغوں کا دربا کھل گیا

جلال — آرہی زلف ہوا سے جو ترے پستاں پر
ابر نے لے لیا آغوش میں کہساروں کو

نادر — سیاہی اس پر یوں عیاں ہے تیری پستان کی
سیہ زنبور ہو جیسے نہاں نار پستاں میں

امانت — خون انکی حیا سے سی جو عارض پہ ہے نکلا
یاقوت کی جنتی مہ کامل میں جڑی ہے

قلندر — نہیں ہے تل ترے آنکھوں کے نزدیک
یہ بھونرا پاس بیٹھا ہے کنول کے

رسا — حیا سے اور داغ یہ چیچک اس روئے منور پر
لب تنگ شکر پر مور قایم ہیں شکر پیدا

برق — جھکا بار پستاں سے چلنے میں قد
اناروں سے خم شاخ تر ہو گئی

ناسخ — غم خانہ تیرے یار میں ہے ہم بہشت
زہر غم فراق مزے میں ہے در بہشت

غرضکہ اس قسم کی ہزارہا تشبیہیں ہیں جو اہل لکھنؤ کے کلام میں بیشتر اور اہل دہلی کے یہاں خال خال مستعمل ہیں۔

عاقل و آزاد بلگرامی

عاقل — تا توانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش
خاک بر سر میکند در خانہ آئینہ آب

اعتراض — اس میں مقام کے میم کو عاقل کے الف سے وصل کر دیا ہے اور عین گر گیا ہے اسی قسم کی خرابیاں عاقل کے کلام میں بہت سی ہیں۔

ناصر علی نے بھی ایک جگہ عین گرایا ہے۔

خواتین کے مطالعہ کی کتابیں

- گوہر کالال
- شوکت آرا بیگم حصہ اول و دوم
- حصہ سوم
- سعیدہ کے خطوط
- پیاری سہیلی
- نئی نویلی پیاری سہیلی
- عورتوں کی انشا
- انشائے نسواں
- سیرۃ الکبریٰ
- طرز زندگی
- مخدرات تیموریہ
- ازواج النبی
- ازدواج الانبیا
- سیرۃ عائشہ صدیقہ
- عفت المسلمات
- سبیل النجاح
- بچوں کی پرورش
- [illegible] طفلاں
- تہذیب نسواں
- بیوی کی تعلیم
- بیوی کی تربیت
- تربیت اطفال

- فرائض مادری
- افسانۂ در جہاں
- اقبال دولہن
- حسن معاشرت
- ایامیٰ
- سولہ کہانیاں
- سترہ کہانیاں
- مراۃ تعلیم
- مراۃ العروس
- بنات النعش
- توبۃ النصوح
- کنیز فاطمہ
- پیکر شباب
- نصیحت کا کرن پھول
- برکات سلطانی
- ابن الوقت
- چند پند
- منتخب الحکایات
- تندرستی
- حفظ صحت
- طبیب نسواں
- اکسیر صحت

ناول، ڈرامے اور افسانے

- قطرات اشک
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible] سعید
- خوفناک محبت
- سیلاب اشک مصور
- بے زبان دوست
- مجالِ ہم نشین
- تفسیر عصمت
- جوہر قدامت
- [illegible]
- پر اسرار قتل
- الوان آزادی
- سرگذشت ہاجرہ
- [illegible] زندگی
- قلب حزیں
- عروس کربلا
- شہید مغرب
- ماہ عجم
- تیغ کمال
- محراب مغرب
- فلورا فلورنڈا کامل

- موہنی
- وداع ظفر
- یاسمین شام
- طوفان اشک
- شاہین و دراج
- دربار عشق
- [illegible]
- تین بہادر باز
- کرشمۂ رقابت
- انقلاب قسطنطنیہ
- شوہر [illegible]
- ویرہ یا کی سرگذشت
- شگفتہ محبت
- نسوانی زندگی
- ولایتی [illegible]
- شمع خاموش
- شب زندگی کامل
- [illegible]
- چندر کلا
- گلستان خاتون
- صبح زندگی
- شام زندگی

تاریخ و سوانح عمریاں

- تاریخ مغرب
- مختصر تاریخ اسلامی
- حصہ ۲
- حصہ ۳
- حصہ ۴
- [illegible]
- امت کی مائیں
- الزہرا
- اسوۂ حسنہ
- مشاہیر [illegible]
- [illegible]
- سوانح اکبر الٰہ آبادی
- سفرنامہ عراق
- تذکرہ فاطمہ
- [illegible]
- سیر الصحابیات حصہ ۱
- حصہ ۲
- [illegible] جلد
- اخبار الاندلس ۳ جلد
- خلافت [illegible]
- خلافت موحدین
- عرب اور اسکا مستقبل

لغات و ادب

- ہماری زبان
- لغات سعیدی
- لغات کشوری
- گنجینۂ تحقیق مجلد
- تیسیر اللغات فارسی
- محاورات نسواں
- جواہر اللغات
- گوہر لغات
- چراغ سخن
- [illegible] لغت
- [illegible] کلیات [illegible]
- [illegible] اللغات
- [illegible]
- تاریخ ادب اردو [illegible]
- [illegible] اردو
- منتخب کلام ہندی
- رباعیات عمر خیام
- منتخب کلام مہدی
- اردو کے اسالیب بیان
- [illegible] الالفاظ
- فیض اردو
- نور اللغات ۴ جلد

دواوین فارسی

- دیوان شمس تبریز
- کلیات عراقی
- دیوان حافظ
- دیوان بیدل
- دیوان عرفی
- کلیات جامی

- کلیات غالب
- کلیات صائب
- دیوان ناصر علی
- کلیات سعدی
- کلیات حزیں
- دیوان عنصری

- دیوان غنی کشمیری
- دیوان ہلالی
- اسرار خودی و رموز بےخودی
- زبور عجم
- پیام مشرق
- قصائد عرفی مجلد

دواوین اردو

- کلیات ظفر
- کلیات مومن
- دیوان ناسخ
- کلیات میر
- کلیات سودا
- کلیات انشا

- کلیات نظیر اکبرآبادی
- گلزار داغ
- دیوان رند
- دیوان ذوق
- گلکدۂ عزیز
- مراۃ الغیب

- صحیفۂ عشق
- فریاد داغ
- عالم خیال باتصویر
- دیوان شہیدی
- کلیات اکبر [illegible]
- نغمۂ دل شاہجہانپوری

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

ذیل کی کتابیں نگار بک ایجنسی سے طلب فرمائیے

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

تذکرہ و تاریخ

پیغمبر اعظم
شب معراج
سراج منیر
پیغمبر عالم
سوانح حضرت رسول
سید المرسلین
حیدر کرار
سیرۃ الصدیق
عمر ابن خطاب
ابوبکر صدیق
ائمۂ اسلام
الحبیب
عمر بن عبد العزیز
دولت فاروقیہ
مکمل سوانح زیب النساء بیگم
تذکرہ اولیا
تذکرہ اولیائے ہند
مراۃ الکونین
قصص الانبیا مکمل
سفرنامۂ چین
تلخیص التواریخ
خاتون جنت
مختارات الصوفیہ
خواتین انگورہ
مشاہیر نسواں
مشاہیر ہند
مخدرات تیموریہ
بیگمات بنگال

جاسوسی کے ناول

شرلاک ہومز
محاصرۂ پیرس
شیخ چلی
بہرام کی واپسی
انقلاب فرانس
بحری قزاق
فطرتی جاسوس
ٹرکی حرم سرا
جنگ طرابلس
بہرام چور
زر پرست
کنجی کا راز
عبد الرحمٰن ناصر
عروس مصر
سیلاب خون
سیاحت زمین
سیاحت ہوا
نازنین ماسکش
سمندر کی سیر
اسرار بالشوزم
رنج لیلیٰ
امین بک
حجاج بن یوسف
یوسف پاشا
انقلاب عثمانی
بہرام کی رہائی
بہرام کی آزادی
بہرام کی سرگزشت

مراثی

مراثی دبیر
مراثی انیس کامل
مراثی ضمیر
مراثی مونس
مراثی دلگیر

عجائب و غرائب

عجائب مخلوقات — تصویر رنگین
با تصویر سادہ
مجمع الفنون
طلسم فرنگ
کارخانۂ عالم

رینالڈز کے ناولوں کے ترجمے

الہ دین و لیلیٰ
فریب حسن
سوزن عشق
روز الیمبرٹ
ناول اسرار
شام جوانی
حرم سرا

ناول سجاد حسین

احمق الذی
حاجی بغلول
پیاری دنیا
کایا پلٹ
میٹھی چھری
طرحدار لونڈی
طلسمی فانوس

ناول جوالا پرشاد

مرتانی
مار آستین
بنگالی دولھن
معشوقۂ فرنگ
پرتاب
روہنی

ناول سرشار

سیر کہسار
خدائی فوجدار
جام سرشار
الف لیلہ بطرز ناول
کامنی
سوانح عمر و عیار

ظفر عمر بی اے

چوروں کا کلب
نیلی چھتری
بہرام کی گرفتاری

ادبی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب
بزم خیال
مشاطۂ سخن
مکاتیب محسن الملک

تذکرۃ الشعراء

تذکرۂ حسینی
گلشن بیخار
سراپائے سخن
سوانح نظیر اکبرآبادی

ناول شرر

جنید بغدادی
مخدرات
جویائے حق
لعبت چین
فاتح و مفتوح
بابک خرمی
ایام عرب
قیس و لبنیٰ
یوسف و نجمہ
زوال بغداد
حسن کا ڈاکو
دربار حرام پور
مینا بازار
قدوس نازنین
رومۃ الکبریٰ
فلپانا
شوقین ملکہ

مولانا شبلی نعمانی

سیرۃ النبی جلد اول
دوم
سوم
الفاروق
الغزالی
المامون
رسائل شبلی
موازنۂ انیس و دبیر
کلام شبلی اردو
الکلام
علم الکلام
شعر العجم جلد اول
دوم
سوم
چہارم
پنجم

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

مطبوعہ مختار پرنٹنگ ورکس نظیر آباد لکھنؤ باہتمام مہتمم سید توسل حسین